بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث نمبر ۱ : نیت اور اخلاص

عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ ''اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰی، فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِامْرَأَةٍیَنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ .''

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا '' تمام انسانی اعمال کا دارومدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اسکی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے تو جس شخص نے اللہ اور اسکے رسولؐ کی طرف ہجرت کی یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی رضا جوئی اور اطاعت کے سوا اسکی ہجرت کا اور کوئی سبب نہیں تھا تو اسکی ہجرت درحقیقت اللہ اور اسکے رسول ﷺ ہی کی طرف ہوئی اور جو کسی دنیاوی غرض کیلئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا تو (اسکی ہجرت اللہ اور اسکے رسولؐ کیلئے نہ ہوگی بلکہ) فی الواقع جس دوسری غرض اور نیت سے اس نے ہجرت اختیار کی تو اللہ کے نزدیک بس اسی کیلئے اس کی ہجرت مانی جائے گی '' (رواہ البخاری ومسلم)
یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی ، مالک ،احمد، ابن حبان اور بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔ یہ حدیث مشہورترین حدیثوں میں سے ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ۳۰ صحابہ سے مروی ہے اس لئے اسکو متواتر میں شمار کیا جائے گا۔ اس حدیث کی ایک اہمیت یہ ہے کہ اس حدیث کے اصل راوی صرف عمر بن الخطاب ہیں لیکن پھر ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد صحابہ سے لے کر بعد تک بے شمار ہے

شرح حدیث:

☆ **امام احمد بن حنبل** نے کہا کہ اسلام کے اصولوں کا دارومدار تین حدیثوں پر ہے. (۱) اعمال کا دارومدار نیت پر ہے
(۲) عائشہؓ کی حدیث کہ ''جس نے ہمارے معاملے میں نئی بات شامل کی وہ اس پر لوٹا دی جائے گی'' (۳) اور نعمان بن بشیر کی حدیث ''حلال بالکل واضح ہے اور حرام بالکل واضح ہے ''

☆ **امام شافعی** نے کہا کہ علم کی ایک تہائی باتیں اس حدیث میں آگئی ہیں (۱.نیت ۲. علم ۳. عمل دین کے تین حصے ہیں اس لحاظ سے نیت ایک تہائی ہوئی) اور فقہ کے ۷۰ باب ایسے ہیں جن میں نیت کا بنیادی کردار ہے۔

☆ **اسحاق بن راہویہ**: کہتے ہیں کہ دین کی بنیاد چار احادیث پر قائم ہے
(۱) ایک یہی حضرت عمرؓ کی حدیث ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے
(۲) اور نعمان بن بشیر کی حدیث ''حلال بالکل واضح ہے اور حرام بالکل واضح ہے ''

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث " خلقت کے (مراحل میں سے) ایک مرحلہ ماں کے پیٹ میں ۴۰ دن مادہ جمع رہتا ہے " (۴) عائشہؓ کی حدیث کہ "جس نے ہمارے معاملے میں نئی بات شامل کی وہ اس پر لوٹا دی جائے گی"

عثمان بن سعید نے ابوعبید کا قول نقل کیا ہے کہ آخرت کے تعلق سے عائشہؓ کی حدیث (کہ "جس نے ہمارے معاملے میں نئی بات شامل کی وہ اس پر لوٹا دی جائے گی") میں جامع ترین ہدایت ہے اور دنیا کے تمام معاملات کو **"انما الاعمال بالنیات"** میں سمیٹ دیا گیا ہے۔

☆ __امام ابوداؤد__ کہتے ہیں کہ جو احادیث میرے سامنے تھیں انکو اگر سمیٹا جائے تو ۴۰۰۰ میں سمٹ سکتی ہیں پھر میں نے دیکھا ان ۴۰۰۰ احادیث کا دارومدار ۴ احادیث پر ہے

(۱) عمر بن الخطاب کی حدیث "اعمال کا مدار نیت پر ہے" (۲) اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی ترک کر دے (۳) ابوہریرہؓ کی حدیث ہے " اللہ تعالیٰ خود پاک و طاہر ہے اور طیب کو ہی قبول کرتا ہے۔" (۴) نعمان بن بشیر "حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے۔" اس طرح سے ہر حدیث علم کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔

امام ابوداؤد سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ میں نے ۵ لاکھ احادیث جمع کی ہیں، ان میں سے میں نے اپنی کتاب (سنن) کیلئے ۴۸۰۰ احادیث منتخب کیں۔ ان میں سے چار احادیث ایسی ہیں جو ایک شخص کے دین پر عمل کرنے کیلئے کافی ہیں:

(۱) اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی ترک کر دے

(۲) **انما الاعمال بالنیات**

(۳) مومن کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا ہے یا حقیقی نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے اس بات کو نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

(۴) حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے

امام ابوداؤد کا ایک اور قول ہے کہ فقہ کے سارے احکام ۵ احادیث میں سمٹ کر آ گئے ہیں (۱) حلال واضح ہے حرام واضح (۲) نہ تو نقصان اٹھانا سے نہ پہنچانا ہے۔

(۳) عمل کا مدار نیت پر ہے (۴) دین نام ہے نصیحت و خیر خواہی کا (۵) جس سے میں نے روکا ہے اس سے رک جاؤ اور جس کا حکم دیا ہے اسکو استطاعت بھر ضرور کرتے رہو

"اعمال کا مدار" کا ایک مطلب ہے کہ (۱) اعمال کی صحت (۲) قبولیت ۔ یعنی شرعی لحاظ سے عمل وہ درست ہوگا جسکے پیچھے نیت بھی درست ہو۔ اور نیت سے مراد ہے قصد وارادہ، قرآن میں اس کیلئے ارادہ کا لفظ آیا ہے " تم میں سے کوئی دنیا کا خواہشمند ہے اور کوئی آخرت کا طلبگار ہے" آلِ عمران : ۱۵۲) نیز دیکھئے (انفال: ۶۷ ، ھود: ۱۶-۱۵ ، شوریٰ: ۲۰) قرآن نے **"ابتغیٰ"** کا

لفظ بھی اس لئے استعمال ہوا ہے جیسے سورۃ لیل میں **الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ**۔۔۔۔۔۔اور دیگر آیات۔

اسلام میں انسان کا محاسبہ عمل پر ہے جبکہ دل کی بات پر پکڑ نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے نیکی کے ارادے پر بھی اجر لکھ دیا ہے اور برائی کا ارادہ کر کے رک جانے پر بھی اجر لکھا ہے، مگر اللہ کے پاس نیت کا اس لئے اعتبار ہے ک اخلاص نیت ضروری ہے اور نیت کی خرابی نیز دوسروں کی خاطر کام کرنا غلط ہے، گناہ ہے، شرک ہے۔

عمل دو قسم کے ہیں:

(۱) ایک شرعی اعمال انکی ادائیگی میں یہ شرط ہے کہ شرعی ذرائع کے ساتھ شرعی مقاصد کئے جائیں اور نیت میں اخلاص ہو، جیسے نماز کہ مقصد بھی شرع متعین کرے گی اور ذریعہ بھی شرع بتائے گی، ایسے اعمال کو <u>عبادات</u> کہتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم کے اعمال <u>عادات</u> کہلاتے ہیں یعنی جو انسانی فطرت کا حصہ ہیں

ان کی صحت کی شرط ہوگی، نیت، مقصد کو شرعی بنانا اور جائز ذریعہ اختیار کرنا، جیسے کھانا فطری ضرورت ہے اب اس لئے کھائیں کہ جسمانی طاقت سے دین کی خدمت کریں گے اور حلال ذریعہ سے پیٹ بھریں پھر اللہ کا نام لے کر کھائیں۔ اس سے یہ عمل بھی عبادت بن جائے گا۔

دنیاوی معاملات میں قانون کا کام ہے ظاہری عمل پر حکم لگانا، نیت کی بات یہاں اہم نہ ہوگی مگر اللہ تعالیٰ دل کے احوال سے واقف ہے اس لئے وہ وہی عمل قبول کرے گا جو خالص نیت کے ساتھ ہو، اس لحاظ سے نیت کی ضرورت ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ اثرات دکھاتا ہے چاہے انسانوں کو پتہ نہ چلے مگر اچھی نیت کے اثرات دوسرے ہونگے اور بری نیت کے اثرات کچھ اور۔ اور یہ بات جلد یا دیر سے سامنے آتی ہے

<u>**عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے**</u> کہ قول عمل کے بغیر نفع نہ دے گا ، اور قول و عمل نیت کے بغیر فائدہ نہ دینگے اور قول و عمل و نیت اس وقت تک مفید نہ ہونگے جب تک وہ سنت کے مطابق نہ ہوں۔

۶. حدیث میں ہجرت کی مثال دی گئی ہے کہ یہ افضل ترین عمل ہے اور مشکل ترین کام مگر غلط نیت سے وہ بھی اللہ کے نزدیک معتبر نہ ہوگا۔ اسی کو پھیلا کر دوسری مثالوں میں بھی لایا جا سکتا ہے۔ جیسے ایک حدیث میں جہاد کیلئے کہا کہ صرف مقبول نیت ہوگی **اعلاء کلمۃ اللہ** کے ساتھ تو وہ جہاد ہوگا۔

۷. بندوں سے تعریف مل سکتی ہے مگر وہ مقصود نہ ہو، ورنہ ریا کاری ہوگی۔

۸. عبادت اور عادت میں سارا فرق نیت کے ذریعے سے ہے۔

****

حدیث نمبر ۲ : دینِ اسلام کی بنیادیں

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ أَیْضًا قَالَ ''بَیْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ، شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا یُرَی عَلَیْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا یَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُکُبَتَیْهِ اِلَی رُکُبَتَیْهِ وَوَضَعَ کَفَّیْهِ عَلٰی فَخِذَیْهِ وَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، وَتُقِیْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِیَ الزَّکَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا، قَالَ صَدَقْتَ، فَعَجِبْنَا لَهٗ یَسْأَلُهٗ وَیُصَدِّقُهٗ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ: أَنْتَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ، فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: مَاالْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ اَمَارَاتِهَا؟ قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَی الْحَفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِیْ الْبُنْیَانِ ثُمَّ اِنْطَلَقَ، فَلَبِثْتُ مَلِیًّا، ثُمَّ قَالَ: یَا عُمَرَ أَتَدْرِیْ مِنَ السَّائِلَ؟ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ۔'' (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرؓ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہمارے سامنے ایک شخص آیا اسکے کپڑے بہت زیادہ سفید اور بال بہت زیادہ کالے تھے اسکے حال سے سفر کے آثار ظاہر نہیں ہو رہے تھے اور اسے ہم میں سے کوئی پہچانتا نہیں تھا (وہ چلتے ہوئے مجلس میں آ پہنچا) حتیٰ کہ نبی کریمؐ سے اس قدر قریب ہو کر بیٹھا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنی ہتھیلیاں آپؐ کی رانوں پر رکھ دیں پھر اس نے سوال کیا'' اے محمدؐ! مجھے بتایئے اسلام کیا ہے؟ '' اس پر رسول ﷺ نے فرمایا ''اسلام یہ ہے کہ تم لا الہٰ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی گواہی دو، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو بشرطیکہ وہاں تک پہنچنے کی تمہیں استطاعت ہو '' یہ جواب سن کر اس شخص نے کہا'' صَدَقْتَ '' (آپؐ نے ٹھیک فرمایا) اس پر ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ وہ سوال بھی کرتا ہے اور پھر ایسے انداز میں ٹھیک بتاتا ہے (جیسے وہ پہلے سے جانتا ہو) راوی کہتا ہے کہ پھر اس نے پوچھا ''اچھا بتایئے ایمان کیا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا '' ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اسکے فرشتوں پر، اسکی کتابوں پر، اسکے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ '' یہ جواب سن کر اس نے پھر وہی '' صَدَقْتَ'' (آپؐ نے ٹھیک فرمایا) کہا۔ پھر اس نے سوال کیا '' اچھا بتایئے احسان کیا ہے؟ '' آنحضرتؐ نے فرمایا'' احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ جیسے اسے تم دیکھ رہے ہو پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو (یعنی تمہارے اندر یہ کہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی ہے تو کم از کم یہ سمجھو) کہ

بلاشبہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے‘‘ پھر اس نے سوال کیا ’’ اچھا یہ بتائیے قیامت کب آئے گی؟‘‘ آپؐ نے فرمایا ’’سوال کرنے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے دونوں اس بارے میں برابر ہیں۔‘‘ (نہ مجھے معلوم ہے اور نہ تم واقف ہو) اس پر اس نے کہا ’’اچھا تو اسکی نشانیاں بتا دیں؟‘‘ آپؐ نے فرمایا ’’(اسکی بعض نشانیاں یہ ہیں)

(لونڈی) عورتیں ایسی لڑکیاں جنیں جو اپنی ماں کی سردار ہوں، تم ننگے پیر، ننگے بدن، قلاش اور بکریاں چرانے والوں کو دیکھو گے کہ اونچی اونچی عمارتیں بنا کر آپس میں اس پر فخر کرنے لگیں‘‘ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ سوال و جواب کے بعد) وہ شخص چلا گیا اور میں بہت دیر تک آپؐ سے سوال کرنے سے رکا رہا پھر آپؐ نے خود ہی فرمایا ’’اے عمرؓ! کیا تم جانتے ہو یہ سائل کون تھا؟‘‘ میں نے عرض کیا ’’ اللہ اور اسکا رسولؐ ہی خوب جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا ’’ یہ جبرئیلؑ تھے اس غرض سے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔‘‘ (رواہ مسلم)

یہ حدیث احمد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، بغوی، ابویعلی، بیہقی نے روایت کی ہے مگر بخاری نے اسکو روایت نہیں کیا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کچھ لوگوں نے یہ بات رکھی ہے کہ ایسے لوگوں سے ہم کو واسطہ پڑ رہا ہے کہ ایک طرف تو وہ قرآن پڑھتے ہیں مگر علم کے لحاظ سے کورے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کی بات بے کار ہے، جو کچھ ہو رہا ہے وہ بغیر کسی طے شدہ بات کے ہو رہا ہے تو ابن عمر نے کہا کہ ’’ جب تم ان سے ملو تو میری طرف سے انکو بتا دینا کہ میں ان سے بری ہوں ، اور انکا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور عبداللہ بن عمرؓ قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ لوگ چاہے احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیں مگر اللہ انکا صدقہ کبھی نہ قبول کرے گا اگر وہ تقدیر پر ایمان نہ لائیں گے۔ پھر اسکے بعد انہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

شرح حدیث:

۱. اسلام کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ یہ نام ہے قول و عمل کا جسکا ایک حصہ ہے کلمہ شہادت کا زبان سے اقرار اور دوسرے ارکان میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ ہیں ان میں نماز، روزہ بدنی عبادت ہیں ، زکاۃ مالی عبادت ہے، حج بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی بات کو ابن عمرؓ کی حدیث میں کہا گیا ہے کہ ’’ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے ‘‘ (احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی کی روایت) تمام ظاہری اقوال اور اعمال اسلام کے دائرے میں آئیں گے۔

۲. ایمان کے تحت وہ اعمال آتے ہیں جو اعمال قلب میں آتے ہیں اسکے ۵ ارکان ہیں یا اس حدیث کے مطابق ۶ ہیں قرآن میں ۵ ارکان کا تذکرہ ہے (دیکھئے سورۃ البقرۃ ۱۷۷ ، ۲۸۵) بہر حال ایمان بالرسول میں فرشتوں، تمام سابقہ انبیاء، کتابیں ، حیات بعد الموت اور تقدیر سب آجائیں گے کیونکہ جب رسول پر ایمان لائے تو انکی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان ضروری ہے۔

۳. تقدیر پر ایمان کے دو درجے ہیں۔

(۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ اللہ کو بندوں کے تمام اعمال کا پہلے سے علم ہے اور کون جنت میں جائے گا اور کون نہیں۔ یہ تمام امور پہلے اللہ کے علم

میں ہیں اور طے ہیں۔

(۲) اللہ نے بندوں کے تمام افعال واعمال کوتخلیق کیا ہے۔کفر ہو کہ ایمان، اطاعت ہو یا معصیت۔ جبکہ تقدیر کا انکار کرنے والے اسکو نہیں مانتے ہیں۔قضاء کا مطلب ہے تخلیق اور قدر کا مطلب ہے طے شدہ کام، ایک حساب کے ساتھ۔

۴. ایمان واسلام ایک ہی چیز ہیں مگر ایمان قلب کے عمل کا نام ہے اور اسلام جسم کے اعضاء کے کاموں کا، (اعراب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے آپؐ ان سے کہیں کہ ی نہ کہو بلکہ ی کہو ہم اسلام لے آئے) (حجرات:۱۴)

۵. ایسی احادیث بہت ہیں جن میں اسلام اور ایمان ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور ایسی بھی احادیث ہیں جن میں الگ الگ استعمال ہوتے ہیں۔

۶. احسان کا اسلام میں اہم مقام ہے کبھی احسان کا ذکر ایمان کے ساتھ آتا ہے، کبھی اسلام کے ساتھ اسکا ذکر آتا ہے، کبھی اسکا ذکر تقویٰ اور عملِ صالح کے ساتھ آتا ہے۔

۷. احسان کا جوہر یہ ہے کہ اللہ کا حضور اسکی تربیت اسکا دیکھنا ایسا ہو کہ اسکی وجہ سے اسکی تعظیم بڑھے اسکے ساتھ محبت میں اضافہ ہو، اسکے ناراض ہونے کا خوف ہو۔

۸. احسان کے بھی دو درجے ہیں (ا) علم کا درجہ ،اللہ کے حاضر ہونے کا احساس، یقین (۲) یقین کا وہ درجہ ہے کہ علم سے زیادہ تک بات جائے، بہر حال احسان کا تعلق انسان کے قانونی تعلق سے بڑھ کر جذبے کے ساتھ ایمان کو ماننے کے ساتھ ہے۔

۹. قیامت کا علم ان ۵ باتوں میں سے ہے جسکا صرف االلہ کو علم ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ۔(سورۃ لقمان:۳۴)

۱۰. ''لونڈی آقا کو پیدا کرے گی'' کا مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ (ا) غلام بہت ہونگے، یعنی جنگ کا سلسلہ عام ہوگا۔ (۲) اولاد نافرمان ہوگی کہ ماں پر حکم چلائیگی اور ماں اسکی فرمانبردار ہوگی۔

۱۱. ''محتاج لوگ اونچی عمارتیں بنانے میں مقابلہ کرینگے'' اسکا مطلب (ا) کم تر درجے کے لوگ آگے بڑھ جائیں گے (۲) عربوں کے علاقے میں تبدیلی آئے گی اور دولت کی ریل پیل ہوگی اور اسکا استعمال صرف مقابلہ بازی میں ہوگا جیسا کہ علاماتِ قیامت میں اسکا کافی تفصیل سے ذکر ہے۔

۱۲. یہ سارے امور دین میں آتے ہیں اور دین کے اہم حصے بنتے ہیں، اور جبرائیلؑ نے علم کی مجلس قائم کی کہ سوالات خود سے نہ اٹھا پاتے تو جبرائیلؑ نے سوال کرکے یہ باتیں کھول کر بیان کروادیں۔

****

حدیث نمبر۳: اسلام کے بنیادی ارکان

عَنْ أَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ ”بَنِی الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اَلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصُوْمِ رَمَضَانِ.“ (رواہ بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”اسلام کی بنیاد (پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے) ۱. گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ ادا کرنا (۴) بیت اللہ کا حج کرنا اور (۵) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کو ترمذی، نسائی، امام احمد، ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح حدیث:

۱. اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہہ دی گئی ہے ہر عمارت کیلئے بنیاد ضروری ہے۔ اس کیلئے ستون کی ضرورت ہے، چھت کی ضرورت ہے، غرض ایک مکمل عمارت وہ ہے جسکے تمام حصے بنے ہوں، یہ پانچ باتیں ستون کے طور پر ہیں جن کے بغیر اسلام کی عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی ہے۔ انکے علاوہ اسلام کی اور باتیں وہ ہیں جو عمارت کی تکمیل کیلئے ضروری ہیں۔

۲. سب سے پہلا ستون کلمہ شہادت ہے کہ اسکے بغیر نہ ایمان ہے نہ اسلام، تو اسکو بنیاد بھی سمجھنا چاہئے کہ اسکے بغیر ایمان کم ہوگا مگر کلمہ شہادت کے نہ ہونے سے اسلام ہی نہ ہوگا۔

۳. نماز کا قیام اسلام کا ستون ہے، اور اسکا انکار اسکی فرضیت کا انکار، اسکا جان بوجھ کر چھوڑنا اسلام سے کفر کی طرف جانا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی کے کفر کے درمیان اور شرک کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔ (مسلم وغیرہ) حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے کہ ”نماز کو اسلام کا وہ ستون قرار دیا ہے جسکے بغیر خیمہ کھڑا ہی نہیں ہوسکتا ہے۔“ (ترمذی)

علماء کی ایک بڑی تعداد اسکی قائل رہی ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے۔ اس رائے کا تعلق اس بات سے ہے کہ نماز کا انکار ہو، نماز میں سستی کرنے والا، ٹالنے والا، کبھی پڑھ کر کبھی چھوڑنے والا بھی کافر ہوگا۔ اس سلسلے میں ایک رائے یہ ہے کہ اگر عملی کوتاہی ہے تو یہ گناہ کبیرہ میں آئے گی جب تک وہ نماز کی فرضیت کا ہی انکار نہ کردے۔

۴. نماز تو ہر بالغ مرد اور عورت پر فرض ہے، ایام حیض و نفاس میں یہ عورتوں سے ساقط ہے، مجنون اور بیہوش پر سے ساقط ہے مریض پر قدرت کے مطابق ادائیگی واجب ہے، مسافر پر قصر کے ساتھ واجب ہے، مزید یہ کہ مردوں پر جماعت کے ساتھ بعض کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ پھر نماز ہر دن میں پانچ بار فرض ہے۔

۵. زکوۃ کا تعلق صرف صاحبِ نصاب سے ہے کہ جسکے پاس ایک متعین مقدار میں مال ہو اور سال بھر بچا رہے تو اس پر 2.50% (ڈھائی فیصد) زکوۃ ہے۔ یہ سال میں ایک بار ہی دینا ہے، اسکے علاوہ جو صدقات ہیں وہ اختیاری ہیں، یہ مال حق ہے ضرورت مندوں کا، جنکا ذکر قرآن میں ہے۔

٦. حج کی فرضیت زندگی میں صرف ایک بار ہے، اس کیلیئے استطاعت مطلوب ہے، مال میں، صحت میں، راستے کی اجازت میں، حج کے مخصوص ایام ہیں صرف انہی ایام میں وہ ادا ہوسکتا ہے، جبکہ سال بھر میں عمرہ کا دروازہ کھلا ہے۔

٧. رمضان کے روزے سال میں ایک بار فرض ہیں، مہینے کے دن میں، یہ مرد و عورت دونوں پر فرض ہیں مگر ایام حیض و نفاس میں انکی قضا ہے۔ اسی طرح مسافر، مریض پر انکی قضا ہے۔ ان روزوں کے علاوہ جو روزے ہیں وہ نفل ہیں یا کفارے کے طور پر ہیں۔

****

حدیث نمبر۴: انسان کی تخلیق اور تقدیر

عَنْ أَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ ھُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ (اِنَّ أَحَدَ کُمْ یُجْمَعُ خَلْقُہُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہِ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا نُطْفَۃً، ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یُرْسَلُ اِلَیْہِ الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوْحَ وَیُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ کَلِمَاتٍ: بِکَتْبِ رِزْقِہٖ وَأَجَلِہٖ وَعَمَلِہٖ وَشَقِیٌّ أَوْسَعِیْدٌ، فَوَ اللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ غَیْرُہٗ اِنَّ أَحَدَ کُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ الْجَنَّۃِ حَتّٰی مَا یَکُوْنَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا اِلَّا ذِرَاعٌ، فَیَسْبِقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ النَّارِ فِیَدْخُلُھَا، وَاِنَّ أَحَدَ کُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ النَّارِ حَتّٰی مَا یَکُوْنَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا اِلَّاذِرَاعٌ، فَیَسْبِقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَدْخُلُھَا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا (اور آپؐ صادق ومصدوق ہیں)
''تم میں سے ہرایک کی تخلیق کی تکمیل اسکی ماں کے شکم میں اس طرح ہوتی ہے کہ چالیس (۴۰) دن تک نطفہ رہتا ہے پھر اتنا ہی عرصہ منجمد (جمے ہوئے) خون کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اتنے ہی دن گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے۔ اسکے بعد اسکی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے یعنی اسکا رزق، اسکی عمر، اسکا عمل اور اسکے نیک بخت اور بد بخت ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ پس اس ذات (اللہ) کی قسم جسکے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی ایک شخص جنتیوں والے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اسکے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر کا لکھا اسکے آڑے آجاتا ہے اور وہ دوزخ والوں کے عمل کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اس طرح تم میں سے کوئی ایک شخص دوزخیوں والے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا اسکے آڑے آجاتا ہے اور وہ جنت والے عمل کرنے لگتا ہے۔ پس وہ اس میں داخل ہونے کا حق دار ہوجاتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

شرح حدیث:

۱. سائنس نے ترقی کرلی لیکن اسکا علم اس وقت شروع ہوتا ہے جب انسان کی تخلیق شروع ہوتی ہے، جبکہ اللہ کا علم اس وقت کا ہے جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔

۲. سائنس انسان کی جنس اور جسمانی باتیں وغیرہ تو بتادے گی مگر اسکی عمر، عمل، اور پھر سب سے بڑھ کر وہ نیک ہوگا یا برا یہ نہ بتاسکتی ہے نہ اندازہ لگاسکتی ہے۔ اسی لئے علم غیب کی پانچ باتوں میں سے رحمِ مادر میں کیا ہے پہلے بھی غیب تھا اب بھی ہے اور جو کچھ انسان نے معلوم کیا ہے وہ ابھی بھی بہت محدود ہے پھر ذرائع اور آلات کے سہارے ہے۔

۳. انسان کے بارے میں اللہ کے نزدیک تو سب پہلے سے لکھا تھا، مگر اب اسکو انسان کے اندر لکھ دیا جاتا ہے۔

۴. عملِ جنت کرنا اور بات ہے اور جنتی ہونا اور بات ہے اور چونکہ وہ دل سے نہ تھا تو اسکے اندر کو ظاہر کر دیا جائے گا، جبکہ دوسرا شخص جہنمی عمل تو کر رہا تھا مگر دل سے کافر نہ تھا، سو خاتمہ سے قبل اسکا ایمان ظاہر ہو گیا اور اس طرح سے دنیا کو اسکے ایمان کے حال کا پتہ چل گیا، اس طرح سے یہ اندھا انصاف نہیں ہے کہ ساری زندگی اچھا کام کیا مگر اللہ نے اسکو جہنم میں ڈال دیا بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ دل میں جو کچھ چھپا تھا اسکو ظاہر کر کے اصل حقیقت واضح کر دی۔

****

حدیث نمبر ۵: دین میں نئی بات

عَنْ أُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اُمّ عَبْدِ اللّٰهِ عَآئِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ”مَنْ اَحْدَثَ فِىْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. رَوَاهُ الْبُخَارِىْ وَ مُسْلِمٌ وَ فِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ.“

ترجمہ: امُ المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو کوئی ہمارے اس دین میں وہ کام جاری کرے جو اس (دین) میں سے نہیں ہے تو کام مردود (قابلِ قبول نہیں) ہے“۔ (بخاری و مسلم)
مسلم کی روایت میں ہے ”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے“۔

شرح حدیث:

۱. دین میں نئی بات کو بدعت کہتے ہیں۔ بدعت کی تعریف یہ ہے کہ ”وہ کام جسکی سند دین میں نہ ہو اور اسکو دین سمجھ کر عبادت کے طور پر اجر ملنے کی امید سے کیا جائے“

۲. بدعت کی ہر شکل گمراہی ہے، بدعت حسنہ کی ترکیب شرعی معنی میں نہیں ہے بلکہ یہ لغت کے اعتبار سے ہے اس میں وہ چیزیں آتی ہیں جو نئی تو ہیں مگر انکی شرعاً ممانعت نہیں ہے اور کسی قاعدے کے تحت اختیار کی گئی ہیں جیسے علم حاصل کرنا دین کا مطلوبہ کام ہے اب اس کیلئے ادارہ قائم کرنا، یونیورسٹی بنانا نئی بات، مگر چونکہ علم کیلئے ہے جسکی شرعی اجازت ہے اس لئے یہ بدعت حسنہ کہی جا سکتی ہے مگر لغت کے اعتبار سے ورنہ شرعاً تو دین کے مدمقابل ہر نئی بات غلط ہے اور گمراہی ہے

۳. بدعت کبھی ایک نہ ہوگی جبکہ سنت ایک ہوگی

۴. بدعت اختیار کرنے والا سمجھتا ہے کہ دین میں کمی رہ گئی ہے جبکہ دین مکمل ہے

۵. بے دینی ایک غلط روش ہے مگر دین داری کے ساتھ غلو اور بدعت اور بری بات ہے

****

حدیث نمبر ۶ : شک وشبہ کی چیزوں سے پرہیز

عَنْ أَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَ اِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ ، وَبَیْنَہُمَا أُمُوْرٌ مُشْتَبِہَاتٌ لَا یَعْلَمُہُنَّ کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ ، فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُہَاتِ ، فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ ، وَمَنْ وَقَعَ فِیْ الشُّبُہَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ أَنْ یَقَعَ فِیْہِ ، أَلَا وَ اِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی ، اَلَا وَ اِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ اَلَا وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ أَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا: ''حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان بعض شکوک وشبہات والی چیزیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچالیا اور جو شخص شبہات میں مبتلا ہو گیا (یعنی شبہات والی باتوں پر عمل کیا) وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا جیسے چرواہا اپنے ریوڑ کو ممنوع چراگاہ کے قریب چرائے گا تو ہوسکتا ہے کہ اسکا ریوڑ اس میں چرنے لگے۔ سنو ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور سنو اللہ کی چراگاہ اسکی حرام کردہ (ممنوع) چیزیں ہیں۔'' پھر فرمایا: ''سنو انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو! وہ ٹکڑا دل ہے۔'' (بخاری ومسلم)

شرحِ حدیث:

۱. اس حدیث کو صحاح ستہ میں روایت کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو ابن عمر، عمار بن یاسر، ابن مسعود، ابن عباس نے بھی روایت کیا ہے۔

۲. شریعت میں جو حلال ہیں انکو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے، اور اسی طرح سے حرام امور کو بالکل واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ جیسے کھانے کی چیزیں، سبزیاں پھل، جانور، پینے کی اشیاء، لباس، نکاح میں جو مسائل ہیں بیع وشراء، خرید وفروخت، میراث کے مسائل، غنیمت کے مسائل میں حلال کو بیان کر دیا گیا ہے۔

اور مردار، خون، خنزیر، شراب، محرم رشتے، مردوں کیلئے سونا اور ریشم، سود، جوا، چوری، غصب کیا ہوا مال حرام میں شامل ہیں۔

۳. جبکہ مشتبہات میں وہ چیزیں آئیں گی جنکے حلال یا حرام ہونے میں اختلاف ہے جیسے گھوڑا، خچر، گوہ، نبیذ، درندوں کے چمڑے سے بنی چیزیں، اور مشتبہ خرید وفروخت۔

اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ '' ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کو کھول کر بتا دیا گیا ہے'' (سورۃ نحل: ۸۹)

۴. شریعت میں جو امور ایسے ہیں جن میں اختلاف ہوا ہے اسکا سبب بلکہ اسباب میں سے کوئی سبب ہوسکتا ہے۔

۱) دلیل شرعی کا علم عام نہ ہو سکا، اس لئے کچھ اس سے لاعلم رہے
(۲) دو الگ الگ دلیلوں میں سے ایک سے حرمت اور دوسرے سے حلّت ظاہر ہوتی تھی
(۳) واضح نص (دلیل) نہیں ہے (۴) امر کے الفاظ سے جو حکم آتے ہیں تو اس میں اختلاف ہوا کہ اس سے مراد واجب ہے یا مجرد جواز اسی طرح نہی سے مراد حرمت ہے یا کراہت (۵) اصل حکم یقین پر مبنی ہوتا ہے جبکہ شبہ ہو تو اس پر اس وقت عمل ہوگا جب احتیاط کا معاملہ ہو
(۶) علم ظنی، مجرد ظن، ظن غالب، شک، اندازہ، وہم، یہ درجے ہیں علم و گمان کے اور یہ سب علم قطعی کے مدمقابل ہیں۔
(۷) دنیاوی امور میں اصل چیز جواز ہے اور رشتوں میں اصل چیز حرمت ہے۔
(۸) علماء کا انداز یہ تھا کہ جس چیز کا قطعی علم نہ ہوتا اس کیلئے ''اس میں حرج نہیں ہے'' یا ''اس میں حرج ہے۔'' کے الفاظ استعمال کرتے نہ کہ ایک دم سے اسے حرام کہہ دیتے۔
(۹) اگر کسی کا مال حلال و حرام پر مشتمل ہو تو اسکا حکم حرام کا نہ ہوگا مگر احتیاط کے لحاظ سے دوری بہتر ہے۔
(۱۰) دین کو بچانا یہاں ایک بنیادی ضرورت ہے وہیں عزت کو بچانا بھی انسانی تکریم کیلئے اہم ہے۔اور انکی حفاظت جہاں پر حرام سے بچ کر حلال پر عمل کرنے سے ہوتی ہے، وہیں مشتبہ امور سے بچنے سے بھی ہوتی ہے اور شبہات کے گھیرے میں آنے کی حفاظت ہوتی ہے۔ایسا ممکن ہے کہ کوئی تہمت لگادے، بے بنیاد الزام لگادے مگر جب انسان شبہ سے پاک ہوگا تو ایک تو خود اسکو اطمینان ہوگا۔اعتماد مجروح نہ ہوگا اور دوسرے بھی ثابت ہونے پر بے گناہ مانیں گے۔
(۱۱) مشتبہات کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں (۱) ایسی بات جو واضح طور پر نہ حلال ہو نہ حرام (۲) ایسی بات جسکے مشتبہ ہونے کا علم نہ ہو (۳) اور ایسی بات جسکے مشتبہ ہونے کا علم ہو۔ یہاں علم کے مطابق عمل ہوگا اور جس میں علم نہ ہو تو شبہ سے دور ہونا محفوظ طریقہ ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان مشتبہ کو ہلکا سمجھ کر اس پر عمل کرلے، تو یہ حرام میں شمار نہ ہوگا مگر پھر بھی لوگوں کے تبصروں سے بچنے کیلئے نہ کرے تو بہتر ہے۔ انسؓ ایک بار جمعہ کیلئے گھر سے نکلے جب مسجد پہنچے تو دیکھا نماز ہو چکی ہے اور لوگ واپس آرہے ہیں تو انسؓ وہیں سے ہٹ کر ایسی جگہ رک گئے جہاں وہ نظروں میں نہ آئیں اور کہا کہ '' جو لوگوں سے حیا نہیں کرتا ہے وہ اللہ سے بھی حیا نہیں کرے گا'' (طبرانی)
(۴) اگر مسئلہ میں اختلاف ہے اور کسی کے اجتہاد میں مسئلہ مشتبہ ہے اور دوسرے کے اجتہاد میں مشتبہ نہیں ہے تو اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل ہوگا۔
(۵) خواہشِ نفس کے تحت کسی چیز کو حلال کرلیا جائے تو اسکا معاملہ اللہ کے حوالے ہوگا۔
(۶) ترمذی کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا: '' بندہ اس وقت تک تقویٰ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا ہے کہ وہ اس بات کو نہ چھوڑ دے جس میں چاہے حرج نہ ہو مگر اندیشہ ہو کہ اسکے کرنے سے حرج والی بات بھی ہو جائے گی۔''
(۷) ''دل سدھر جائے تو پورا جسم سدھر جائے'' : دل مرکز اصلاح ہے اور مرکز فساد بھی کہ ایمان کا مرکز دل ہے اور اگر ایمان دل میں

اتر جائے تو پھر وہ ٹھیک ہو جاتا ہے اور حلال وحرام کو پہچاننے لگتا ہے اور پھر سارا جسم اسکے تابع ہوتا ہے اور اگر دل میں ایمان نہ ہوتو خواہش نفس اس میں جگہ پکڑتی ہے جسکے باعث پورا جسم خرابیوں کا ٹھکانا ہوتا ہے۔

(۸) قرآن میں ایسے دل کو" قلب سلیم" کہا ہے یعنی وہ دل جو اللہ کی خشیت سے آباد ہو اور فتنوں سے محفوظ ہو۔ دل کے دو مرض ہوتے ہیں (۱) شہوات (۲) شبہات

آپؐ نے فرمایا کہ" بندہ کا ایمان ٹھیک ٹھاک نہیں ہوسکتا ہے جب تک دل میں استقامت نہ ہو"

(۹) اس دل کے اچھے ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ اس میں محبت صرف اللہ کی ہو اور جس سے محبت ہو اللہ کی خاطر ہو اور بغض ہوتو وہ اللہ کیلئے ہو جیسا کہ حدیث میں ہے " جس نے اللہ کیلئے دیا اور اللہ کی خاطر ہاتھ روکا، اللہ کیلئے محبت کی، اللہ کیلئے کسی سے بغض رکھا تو اس نے ایمان کو کامل اور مکمل کرلیا" (سنن کی روایت)

(۱۰) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان کا آغاز دل سے ہوتا ہے اور وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دل میں جب ایمان آئے تو اسکے اثرات جسم پر، اعضاء پر، قول میں، عمل میں ظاہر ہوں، ہر حیثیت میں ہر لحاظ سے اسکا اظہار ہو۔

****

حدیث نمبر ۷ : دین کا سراپا خیر خواہی ہونا

عَنْ أَبِیْ رُقَیَّةَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِیِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : " اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ " قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ : لِلّٰهِ وَلِکِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِهِمْ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت تمیم داریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" دین خیر خواہی کا نام ہے " ہم نے عرض کیا " یارسول اللہؐ کس کی خیر خواہی؟" فرمایا " اللہ کی، اسکی کتاب کی، اسکے رسول کی، مسلمانوں کے رہنماؤں کی اور تمام مسلمانوں کی۔" (مسلم)

شرح حدیث:

۱. اس حدیث کو ابن حبان، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔

۲. یہ حدیث ابن عمر، ثوبان ابن عباس، ابوھریرۃ نے بھی روایت کیا ہے۔

۳. یہ ان چند احادیث میں سے ہے جن پر پورے دین کی عمارت تعمیر ہوسکتی ہے۔

۴. نصح، نصیحۃ، بھلا چاہنا خیر خواہی کرنا، اخلاص اور بے لوث ہوکر کوئی کام کرنا۔

۵. اس دین کی ساری روح اس میں ہے کہ انسان خیر خواہی کے ساتھ پوری زندگی گزارے، نبی جب آتے تھے تو سب سے پہلے وہ یہی کہتے تھے کہ میں تمہارے لئے امانت والا اور خیر خواہی والا ہوں " **انی لکم ناصح أمین** "

۶. اس خیر خواہی کے سب سے پہلے حقدار تمام مسلمان ہیں " جریر بن عبداللہ بجلی کی حدیث ہے کہ میں نے نبیؐ کے ساتھ اس بات پر بیعت کی کہ میں نماز قائم کرونگا، زکوۃ ادا کرونگا اور ہر مسلم کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ رکھونگا" (بخاری ومسلم)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ" جب وہ تم سے ایسی بات پوچھے جو خیر خواہی پر مبنی ہو تو تم اسکو وہ بات بتاؤ جو خیر خواہی کے تحت ہو (مسلم، ابوداؤد، ابن حبان وغیرہ)

۷. اس خیر خواہی کا تقاضا ہوگا کہ انکو خیر خواہی کی طرف بلایا جائے، برائی سے روکا جائے، بھلائی میں اسے تعاون ہو، انکی کسی ذمہ داری کو سنبھالا جائے تو اسکا حق ادا کیا جائے۔ انکے خلاف کوئی سازش ہو، خطرہ ہو تو اسکو ٹالا جائے۔

۸. جو ذمہ دار ہوں، حکمران ہو، انکے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا" اللہ تم سے تین باتوں پر راضی ہوجائے گا (۱) تم اسکی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (۲) اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تقسیم نہ ہوجاؤ۔

(۳) اور جس کو تمہارے معاملات کی ذمہ داری دی جائے اسکے ساتھ خیر خواہی دکھاؤ۔ (احمد، مسلم، ابن حبان)

ایک اور حدیث میں ہے کہ" تین ایسی باتیں ہیں جن کے بارے میں ایک مسلمان کا دل کھوٹ کا شکار نہ ہوگا (۱) عمل میں اخلاص صرف

اللہ کیلئے (۲) ذمہ داروں کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ (۳) اور مسلمانوں کی جماعت (اجتماعیت) کو تھامے رہنا ۔ (احمد، داری، ابن حبان)

9. ذمہ داری کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی بھلائی اور خیر خواہی کیلئے وہ کرے جو انکے حق میں ضروری ہو.

۱۰. خیر خواہی دو درجے میں مطلوب ہے (ا) فرض کے درجے میں فرائض کا ادا کرنا، حرام باتوں سے بچنا، اور پھر ان معاملات میں حق ادا کرنے کی بھی پوری کوشش کرنا۔

(۲) دوسرا درجہ نفل درجے کا ہے جسکے مطابق ایثار، محبت، قربانی وغیرہ مستحب کے درجے میں بھلائی چاہنا شامل ہے۔

۱۱. اجتماعی نظم میں خیر خواہی میں یہ بھی آئے گا کہ امت متحد رہے، ان میں آپس میں انتشار نہ ہو، حکم یا حاکم کے خلاف بغاوت نہ ہو۔

۱۲. اللہ کیلئے نصیحت اور خیر خواہی کے ساتھ اسکی کتاب کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائیں، اسکو پڑھیں، اسکو سمجھیں، اس پر عمل کریں اسکو نافذ کریں اور اسکے خلاف اعتراضات کو غلط ثابت کریں۔

۱۳. رسول کیلئے خیر خواہی یہ ہے کہ آپؐ پر ایمان لایا جائے، آپؐ کا احترام کیا جائے، آپؐ کی اطاعت کی جائے، آپؐ کی سنت کو اپنایا جائے، اسکو زندہ کیا جائے، اسکو پھیلایا جائے، آپؐ کے ساتھیوں اور گھر والوں سے محبت کی جائے۔

۱۴. اس خیر خواہی کا سارا محور یہی امور ہوں گے، انکا احترام، انکی اطاعت، اور انکے ساتھ حق کے ساتھ معاملہ اسی طرح سے انکا دفاع، انکے خلاف حملوں کا جواب، کتاب وسنت کی حقانیت کو ثابت کرنا میں آئے گا۔

۱۵. اس خیر خواہی کا ایک اہم وزن مشورہ سے تعلق رکھتا ہے مشورہ دینا امانت کے ساتھ، جذبے کے ساتھ اور اخلاص کیساتھ یہ نصیحت کے اندر آئیں گے۔

۱۶. اس جذبے کا کمال یہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی سے کینہ، بغض، حسد نہ ہو اور اسکا دل صاف ہو۔

****

حدیث نمبر ۸: جہاد اور مسلمان کی حرمت

عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أُمِرْتُ اَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ يُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسَلَام وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں جب تک وہ کلمہ طیبہ لا الہٰ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی گواہی نہ دے دیں اور جب تک وہ نماز قائم نہ کریں اور زکوۃ نہ دیں پھر جب وہ یہ کام کرلیں تو مجھ سے اپنی جان اور مال کو محفوظ کرلیں گے، الا یہ کہ اسلام کے کسی حق کی وجہ سے انکا خون بہانا یا مال لے کر کسی کو دینا ضروری ہو، بہرحال انکا اصل حساب تو اللہ کے ذمہ ہے ۔“ (بخاری و مسلم)

شرح حدیث:

۱. یہ ایسی حدیث ہے جس کو کئی صحابہ نے روایت کیا ہے اور اسکو صحاح ستہ (٦ صحیح احادیث کی کتابیں) نے روایت کیا ہے، اور درجے کے اعتبار سے یہ متواتر ہے۔ یعنی ہر راوی کے ساتھ ۲ یا اس سے زیادہ راوی اسکی روایت میں شریک ہیں۔ ایسی متواتر حدیث قطعی ہوتی ہے یعنی اسکا سند میں مرتبہ یقینی ہوتا ہے اور اس سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ قطعی ہوتا ہے اور ایسی متواتر حدیث قرآن کی آیت کی طرح ہوتی ہے اور اسکا انکار کفر ہے۔

۲. بخاری میں انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”میں اس بات پر مامور ہوں کہ لوگوں سے یعنی مشرکین سے میری اس وقت تک لڑائی ہوگی جب تک وہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں، اور جب وہ اسکی گواہی دے دیں، اور ہم جیسے نماز ادا کرتے ہیں وہ ادا کریں، جو ہمارا قبلہ ہے اسکو وہ قبلہ بنالیں اور ہمارا ذبح کیا ہوا گوشت کھائیں تو اب ہم پر انکا خون اور انکا مال حرام ہوگیا سوائے اسکے کہ ان پر کوئی حق نکلتا ہو۔ (بخاری، ابن حبان)

۳. نبیؐ صرف دعوت دینے تک، بات پہچاننے تک، حق بتانے تک ہی مامور نہ تھے بلکہ آپؐ کی ذمہ داری میں دین کا قیام، ایمان پر لوگوں کو لانا، انکار کرنے والوں سے جہاد کرنا اور مقابلہ کرنے والوں کی جان و مال کا حلال ہونا یہ سب شامل تھے۔

۴. اس حدیث میں آپ کہاں تک جاسکتے ہیں یہ بتایا ہے۔ لیکن کیا شروع میں ہی آپ قتال کرنے لگیں گے اور زبردستی کلمہ پڑھوائیں گے؟ آپؐ کے عمل اور دیگر احادیث سے یہ تفصیل ملتی ہے کہ آپ دعوت دیں گے، اسلام کی حکومت قائم ہوگی تو پھر لوگ یا تو اسلام لاکر اسکے تحت محفوظ ہوں گے یا صلح کرکے امن وامان سے رہیں گے اور اگر وہ جنگ کریں تو پھر ان سے جنگ ہوگی مگر یہ جنگ ختم ہوجائے گی اگر وہ اسلام لے آئیں یا صلح کرلیں۔

۵.   مکہ اور جزیرہ عرب کیلئے صرف دو ہی راستے تھے کہ یا تو وہ اسلام لائیں یا ان سے لڑائی ہوگی کیونکہ صرف اسلام کا قلعہ ہے اور وہاں صرف اسلام ہی رہے گا۔

٦.   لا الہ الا اللہ کہہ کر ہی وہ جان و مال محفوظ کریں گے، مگر اگر وہ اسلام کے بعد نماز کا انکار کردیں یا زکوۃ کا انکار کردیں تو ان سے اس وجہ سے قتال ہوگا کہ اب وہ مرتد ہو گئے۔ قرآن میں ہے اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں، اور زکوۃ دیں تو انکا راستہ چھوڑ دو (سورۃ توبہ ۱۱)

۷.   اگر ایک شخص اقرار کرلے اور نماز و زکوۃ کا عمل کرے چاہے دکھاے کیلئے ہو مگر منافقت کے باوجود اسکو قتل نہ کیا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ فلاں شخص منافق ہے مجھے اسکے قتل کی اجازت دیجئے، آپؐ نے کہا کیا وہ شہادت نہیں دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ مگر اسکی شہادت کا کیا اعتبار؟ آپؐ نے کہا کیا وہ گواہی نہیں دیتا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس انصاری نے کہا ہاں۔ پھر آپؐ نے کہا کہ کیا وہ نماز نہیں پڑھتا ہے؟ انصاری نے کہا کہ بالکل۔ مگر اسکی نماز کس کام کی؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے روک دیا ہے (احمد، طبرانی وغیرہ)

۸.   ایمان اور اسلام کے بعد قتل کرنے کے اسباب (۱) زنا، شادی شدہ ہونے کے بعد (۲) ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف واپسی (۳) کسی اور جان کا قتل جان بوجھ کر (طبرانی، اب جریر) (۴) ایک اور سبب ہوگا حکومت وقت کے خلاف بغاوت یا فتنہ فساد پھیلانا

۹.   اگر کسی نے صحیح طرح سے ایمان قبول نہ کیا اور دکھاوا کر کے بچ گیا یا ایسا عمل کیا جسکی سزا قتل ہے مگر بچ گیا تو دنیا میں بچے جانے سے اللہ کے نزدیک بری نہ ہوگا قیامت میں حساب دینا ہوگا۔

۱۰.   اسی طرح سے اگر کس کو یہاں سزا ملی تو یہ سزا اسکا کفارہ بنے گی لیکن توبہ کی نہ سزا ملی تو پھر اللہ کے پاس جا کر معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا چاہے معاف کرے چاہے سزا دے۔

۱۱.   قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعتراف کرے یا ثبوت ملے، عدالت میں کارروائی ہو، یہ نہیں کہ جس نے چاہا قتل کردیا اور بس سنتے ہی حکم لگادیا۔

****

حدیث نمبر۹: سوالات کی کثرت

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ’’مَا نَهَیْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی أَنْبِیَآئِهِمْ۔‘‘ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخرؓ نے روایت کی کہ میں نے رسول اللہؐ سے فرماتے سنا ’’ میں نے تمہیں جن کاموں سے روکا ہے، ان سے اجتناب کرو اور جن باتوں کا حکم دیا ہے جہاں تک ہو سکے (کوشش کے ساتھ) انہیں ادا کرو (اور خواہ مخواہ سوالات میں نہ پڑو) کیونکہ پہلی امتوں کے لوگوں کو زیادہ سوال کرنے اور نبیوں کے خلاف چلنے کے طرزِ عمل نے ہلاک کیا۔ ‘‘ (بخاری و مسلم)

شرح حدیث : ۱. اس حدیث کو احمد، نسائی، ابن حبان اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

۲. مسلم کی ایک اور روایت میں جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس حدیث کا پس منظر سامنے آتا ہے، اس میں ہے کہ ’’ رسول اللہؐ نے ایک بار ہم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ’’ اے لوگو اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ پس تم حج کا فریضہ ادا کرو‘‘ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ کیا ہم ہر سال حج کیا کریں؟ آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین باری سوال دہرایا پھر آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں نے یہ کہہ دیا ہوتا کہ ’’ ہاں‘‘ تو پھر یہ تمہارے اوپر واجب ہو جاتا اور تم اسکی استطاعت نہیں رکھ سکتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ ’’ جو میں نے تمہارے لئے (بیان کرنے سے) چھوڑ دیا ہے تو تم بھی اس سے دور رہو کہ سابقہ قوموں کی ہلاکت کا سبب یہ تھا کہ وہ سوال پر سوال کرتے تھے اور انبیاء کے کہنے کے برعکس کرتے تھے۔ سو جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو استطاعت بھر اسکو انجام دینے کی کوشش کرو، اور جب میں کسی بات سے روک دوں تو پھر اسکو ایک دم سے چھوڑ دو‘‘ (احمد، نسائی، ابن حبان)

۳. یہ اور اس سے ملتی جلتی احادیث سے معلوم ہوا کہ وہ سوالات جو لایعنی ہوں۔ مزاح کی شکل میں ہوں۔ یا ہٹ دھرمی کی نوعیت کے ہوں، جیسے منافقین اور مشرکین آپؐ سے پوچھا کرتے تھے یا ان امور کے بارے میں سوال کہ جو علم غیب سے تعلق رکھتی ہیں، اسی طرح سے نزول وحی کے وقت حلال وحرام کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کہ انکی وجہ سے حکم میں شدت آجائے، تو ان سے احتراز ضروری ہے۔ خاص طور سے

’’ فرضی سوال‘‘ کہ اس بات کے بارے میں سوال کیا جائے جو پیش ہی نہ آئی ہو۔

۴. نبی کریمؐ کے زمانے میں صحابہ سوالات سے احتراز کرتے تھے بلکہ ایک حدیث کے مطابق انکو سوالات سے روک دیا گیا تھا اس لئے یہ صحابہ انتظار کرتے کہ کوئی مہمان یا بادیہ آئے اور وہ سوال کرے یا اس سے سوال کیلئے کہیں (انسؓ کی روایت، مسلم وغیرہ)

۵. ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے اصحابِ رسولؐ سے بہتر لوگ نہیں دیکھیے کہ انہوں نے صرف ۱۲ سوالات کئے جو سب کے سب

قرآن میں مذکور ہیں(طبرانی، کبیر میں، مجمع زوائد ھیثمی کی)

٦. صحابہ اکرامؓ نے ایسے سوالات ضرور کئے جو مسئلہ کی وضاحت کیلئے ضروری تھے جیسے بگڑے حکام کے آنے پر کیا رویہ رکھیں، فتنہ کیا ہے، افضل ایمان کیا ہے؟، افضل عمل کیا ہے؟

٧. سوال پر سوال کرنے کی مذمت یا تو اس معنی میں ہے کہ وحی کے نزول کے وقت ہی ہدایت ضروری تھی، اور یہ بھی واضح کرنا تھا کہ جب کسی مسئلہ کا حکم نہیں بتایا ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اسکو اپنے طور پر کرنے کی اجازت ہے

٨. قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس میں تمام سوالات کے جواب ہیں بلکہ سوال کرنے سے پہلے ہی اللہ نے وہ تمام باتیں بتا دی ہیں جو ہمارے لئے ضروری ہیں، تو ضرورت سمجھنے کی ہے نہ کہ سوالات اٹھانے کی، خود کئی موقعوں پر صحابہؓ کے سوالات پر آپ نے قرآن کی کسی آیت کی طرف متوجہ کیا ہے.

٩. سوالات جب بلاضرورت ہوں تو وہ بھی نقصان دہ ہوتے ہیں جیسے فرض کر کر کے سوالات کرنا خاص طور سے جو خلاف واقعہ ہوں

١٠. اس مسئلے میں کئی رائیں سامنے آتی ہیں: (١) علم حدیث کے پیروکار سوالات کو مکمل طور پر غلط سمجھتے ہیں (٢) اہل رائے فقہاء نے فرضی مسائل کی کثرت کی اور کبھی بتکلف جواب دینے میں لگ گئے (٣) حدیث اور فقہ کے اندر بصیرت رکھنے والے یہ بھی چاہتے ہیں کہ کتاب وسنت پر اس طرح سے عمل ہو جیسے انکا حق ہے اور صحابہؓ سے منقول ہے پھر اسکے ساتھ تفقہ بھی ہو مگر وہ رائے سے گریز کرتے تھے، ہاں جب ضرورت ہوتی تو قیاس کرتے تھے۔

١١. ''جب کسی بات سے روکا جائے تو اس سے رک جاؤ اور جس بات کا حکم دیا جائے استطاعت بھر کر ڈالو'' اس جملے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نہی اُمر سے زیادہ اہم ہے کیونکہ ممنوعہ بات میں کوئی ڈھیل نہیں دی گئی ہے جبکہ مامور بات میں استطاعت کی قید لگائی گئی ہے۔کئی علماء سے منقول ہے کہ'' نیکی تو نیک بھی کرتے ہی اور برے بھی مگر حرام اور مشتبہ سے اجتناب وہی کرتے ہیں جو ''صدیق'' ہوں'' ۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ''کسی عابد کی عبادت کا افضل ترین حصہ ہے اللہ کے روکے کاموں سے رک جانا'' ظاہر ہے کہ واجبات کا درجہ محرمات سے بڑھ کر ہے مگر نفل درجے کی اطاعت سے وہ عمل بہتر ہے جس میں منہیات سے اجتناب ہو۔ابن مبارکؒ نے کہا کہ ایک شبہ کے درہم سے دور رہنا ایک لاکھ درہم صدقہ کرنے سے پہلے ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا'' تقویٰ یہ نہیں ہے کہ قیامِ لیل ہو، دن کے روزے رکھے جائیں اور ان دونوں کے درمیان جو ہے اسکو ملایا جائے لیکن تقویٰ تو یہ ہے کہ اللہ کے فرائض انجام دیئے جائیں، اللہ کے حرام کو چھوڑ دیا جائے اب اسکے ساتھ جس قدر خیر کے کام ہوں تو وہ خیر ہی خیر ہے''

١٢. حکم بجالانے میں عمل کرنا ضروری ہے اور عمل کیلئے استطاعت ضروری ہے اس لئے اسکی شرط لگائی گئی، جبکہ نہی کا مطلب ہے رک جانا تو اس میں استطاعت کا دخل نہیں ہوگا ہاں قوت عزم کی ضرورت ہے، مجاہدہ کی ضرورت ہے اور اس طرح سے شہوت کو ایک دم چھوڑنا مطلوب ہے نہ کہ اس میں کسی درجے کو استطاعت سے جوڑنا۔

۱۳۔ ایک اور حدیث میں اس بات کو ایک اور انداز سے بتایا گیا ہے ۔آپؐ نے فرمایا "اے لوگو! تم نہ تو طاقت رکھتے ہو نہ ایسا کر سکتے ہو کہ ان تمام باتوں پر عمل کر سکو جنکا میں نے تم کو حکم دیا ہے مگر اپنی سی کرتے رہو اور خوش خبری لیتے رہو،" (احمد، ابوداؤد)

۱۴۔ فقہی احکام میں اس حدیث کا اطلاق ایسے ہوگا کہ وضو، طہارت، نماز، حج وغیرہ میں وہ اعمال انجام دینے ہوں گے جو انجام دیئے جا سکیں اور جو کسی عذر کی وجہ سے نہ انجام دیئے جا سکیں تو ان میں چھوٹ ہوگی۔

****

حدیث نمبر۱۰: پاک وحلال رزق اور دعا کی قبولیت

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا، وَاِنَّ اللّٰهَ أَمَرَالْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا أَمَرَبِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ تَعَالٰی: یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الْطَیِّبَاتِ وَاعمَلُوْا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالٰی: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَا کُمْ۔ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلِ یُطِیْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّیَدَیْهِ اِلَی السَّمَآءِ: یَا رَبِّ، یَا رَبِّ، وَمَطْعُمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَ مَلْبَسَهٗ حَرَامٌ وَ غُذِیَ بِالْحَرَامِ، فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهٗ؟ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ’’ انسانو! اللہ طیب (پاک) ہے اور وہ صرف پاک مال ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا ہے جسکا اس نے رسولوں کو دیا ہے۔ رسولوں کیلئے اسکا ارشاد ہے (اے رسولو! پاک اور حلال رزق کھاؤ اور نیک عمل کرو (سورۃ مومنون:۵۱) اور مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا (اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے حلال اور پاک چیزیں کھائیں (سورۃ بقرۃ:۱۷۲) اسکے بعد آپؐ نے ایک ایسے شخص کا بیان فرمایا جو طویل سفر کر کے ایک مقدس مقام پر پہنچتا ہے، وہ گرد میں اٹا ہوا ہے، اس کے بال پراگندہ ہیں اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتا ہے، اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ اسکی حالت یہ ہے کہ اسکی غذا حرام کی ہے، اسکا پینا حرام کا ہے، اسکا لباس حرام کا ہے اور وہ حرام سے پلا ہے اس شخص کی دعا کیسے قبول ہوگی؟‘‘ (مسلم)

شرحِ حدیث:

۱. ترمذی، احمد اور دارمی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

۲. ترمذی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ’’اللہ طیب ہے اور طیب سے محبت کرتا ہے۔ صاف ستھرا ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے‘‘ (ترمذی، حسن)

۳. اسکا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کمزوریوں، عیوب اور کمیوں سے پاک ہے

۴. طیب سے یہاں مراد وہ خیر کا کام ہے جو صدقہ کی شکل میں اللہ کیلئے دیا جائے اور ہر طرح کے مفسدات سے پاک ہو جیسے ریاکاری سے ہو، حلال مال سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ’’ آپؐ کہیئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے ہیں چاہے تم کو خبیث کی کثرت دل کو بھائے‘‘ (سورۃ المائدہ ۱۰۰)

(کلمہ طیبہ کی مثال ایک طیب درخت کی سی ہے ..... (سورۃ ابراہیم ۲۴)

نبی کریمؐ کیلئے کہا گیا کہ وہ طیب کو ان کیلئے حلال کرتے ہیں اور خبیث کو ان پر حرام کرتے ہیں (سورۃ اعراف ۱۵۷)

۵. مومن کا عمل خود بھی صالح ہو مگر اسکے قبول ہونے کیلئے حلال رزق ضروری ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے رسول اللہؐ سے کہا کہ ''اے اللہ کے رسولؐ! دعا کیجئے کہ میری دعا قبول ہوا کرے'' آپؐ نے فرمایا'' اے سعد! اپنا کھانا پاک اور حلال رکھو تو تم جو دعا کرو گے وہ قبول ہو گی''۔

۶. اگر کسی نے حرام مال سے حج کر لیا تو کیا اسکا حج قبول ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو اسکے ذمے کا حج باقی رہے گا؟ اس سلسلے میں علماء کی دو رائے ہیں (۱) عدم قبولیت کا مطلب ہے کہ حرام کے ساتھ عمل کا نتیجہ غلط ہو گا۔

(۲) عمل تو صحیح ہو جائے گا مگر اللہ کی رضا کے بغیر ہو گا بس فرض ساقط ہو جائے گا۔

۷. حرام مال سے صدقہ کرنا غیر مقبول ہے جیسا کہ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ کی عبداللہ بن عمرؓ سے حدیث ہے کہ اللہ تو نماز طہارت کے بغیر اور صدقہ خیانت کے ساتھ قبول نہیں کرے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ ''کوئی بندہ حرام مال سے کما کر خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہو سکتی ہے اور اس سے وہ صدقہ کرے تو قبول نہ ہو گا، اور اسکو اپنے پیچھے چھوڑ دے تو وہ اس کیلئے آگ کا سامان بنے گا۔ اللہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا ہے (لیکن) ہاں برائی کو بھلائی سے مٹا دیتا ہے۔ خبیث سے خبیث کو نہیں مٹایا جا سکتا۔ (مسند احمد کی روایت۔ ایک راوی کمزور ہے)

اسکی تفصیل یہ ہے کہ (۱) خیانت کرنے والا اپنے لئے اجر کی توقع کے ساتھ صدقہ کرے تو یہ غلط ہے، ہاں جسکا حق ہے وہ اجازت دے دے تو یہ صحیح ہو گا

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ وہ مال اصل حقدار کو لوٹانا ممکن نہ ہو اس لئے وہ صدقہ کر دے تو یہ اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ ابن مسعود بن عباس، امام مالک، ابو حنیفہ، احمد، ثوری، حسن بصری سے یہی رائے منقول ہے۔

۸. قبولیت دعا کے ۴ اسباب ہو سکتے ہیں (۱) سفر کی حالت، خاص طور سے دور دراز کا سفر، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ'' تین لوگوں کی دعا قبول ہونے میں شک کا سوال ہی نہیں (ا) مظلوم کی دعا (ب) مسافر کی دعا (ج) والد کی دعا اولاد کیلئے ''

(احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان کی روایت)

(۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ لباس جس سے انکساری ظاہر ہو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ'' ایک شخص ہو گرد آلود لباس کے ساتھ، بالوں کے ساتھ، بوسیدہ کپڑوں کے ساتھ، ہر در کا ٹھکرایا ہوا مگر اللہ کو قسم دے کر پکارے تو اللہ اسکی قسم ضرور پوری کر دے ''

(مسلم، ابن حبان)

(۳) آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرے جیسا کہ حدیث میں ہے '' اللہ تو بہت حیا والا اور کرم والا ہے، اسکو اس بات سے حیا آتی ہے کہ کوئی اسکی طرف ہاتھ اٹھا کر مانگے اور وہ اسکو خالی ہاتھ لوٹا دے '' (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

آپؐ سے ہاتھ اٹھانے میں کئی حالتیں منقول ہیں۔ (ا) شہادت کی انگلی سے دعا کرنا، روایات کے مطابق آپؐ ایسا اس وقت کرتے جب منبر پر ہوتے یا سواری پر ہوتے۔ دعائے قنوت میں بھی ایسا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ابن عباس، ابن سیرین، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ سے منقول ہے۔

(ب) ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہتھیلی نیچے ہو اور بالائی حصہ اوپر ہو اور قبلہ رخ ہو۔ جیسا کہ استسقاء کی نماز میں اس صفت کے ساتھ دعا کی جاتی ہے آپؐ سے یہ صفت منقول ہے (مسلم کی روایت) عرفات میں اس انداز سے دعا کی روایت ہے (احمد)

(ج) دونوں ہاتھ اسطرح اٹھائے کہ ہتھیلی کا حصہ آسمان کی طرف ہو ۔ ابن عمر، ابو ہریرہ، ابن سیرین سے منقول ہے کہ اللہ سے مانگنے کا یہی طریقہ ہے۔

۸. گریہ وزاری دعا میں تاثیر اور قبولیت میں بڑی اہمیت ہے

۹. قبولیت دعا میں جو باتیں رکاوٹ بنتی ہیں ان میں سے حرام غذا سے اجتناب نہ کرنا ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ اسکی دعا کیسے قبول ہو گی۔

۱۰. نیک اعمال انجام نہ دیئے جائیں تو بھی دعا کے قبول ہونے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ عمر بن خطابؓ نے کہا کہ اللہ کی حرام باتوں سے اجتناب کر کے دعا کی قبولیت کو یقینی بناؤ۔

****

حدیث نمبر ۱۱ : بے یقینی سے بچنا

عَنْ أَبِیْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ سِبْطِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَیْحَانَتِه رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ " دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ۔"

(رواہ الترمذی والنسائی و قال الترمذی : حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: ابومحمد حسن بن علیؓ ، رسول اللہؐ کے نواسے نے کہا کہ " میں نے رسول اللہؐ کا یہ فرمان یاد رکھا ہے " جو بات تمہیں دل میں کھٹکے، اسے چھوڑ دو اور وہ بات اختیار کرو جو تمہیں شک میں مبتلا نہ کرے۔"

(ترمذی ، نسائی۔اور ترمذی نے کہا ہے کہ "یہ حسن اور صحیح حدیث " ہے۔)

شرح حدیث:

۱. یہ حدیث احمد، ابن حبان، حاکم نے بھی روایت کی ہے اور دوسرے صحابہؓ سے بھی یہ روایت آتی ہے۔

۲. یہ حدیث ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، ترمذی میں اسکا ایک اور حصہ منقول ہے کہ سچائی باعث اطمینان ہے اور جھوٹ باعث شک وتردد ہے۔حضرت عمرؓ نے ایک بار کہا کہ " ربا کو چھوڑ دو اور جس پر شک ہے اسکو بھی چھوڑ دو "

۳. ایک رائے یہ بھی ہے کہ جب علماء کے درمیان اختلافی مسئلہ ہو، ایک کی نظر میں بات صحیح ہو دوسرے کی نظر میں غلط تو شبہ سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ احتیاط پر مبنی رائے لے لی جائے۔ بہر حال جہاں مسئلہ رخصت کا ہو اور اسکے مقابل اور کچھ نہ ہو تو پھر رخصت پر عمل کرنا بہتر ہے

۴. اور اگر شک کے مقابلے میں یقین ہو تو پھر شک پر عمل نہ ہوگا جیسے وضو کا یقین ہو اور ٹوٹنے کا شبہ ہو تو یقین پر عمل ہوگا۔

۵. اگر کچھ ایسے لوگ ہوں جو کسی مسئلے پر عمل کرتے ہوں مگر وہ عمل عام امت کے علماء کے عمل کے برخلاف بھی ہو اور بے دلیل بھی تو جو عمل امت میں مقبول عام ہو اس پر عمل کرنا صحیح ہوگا۔خاص طور سے وہ عمل جو اس امت کے پہلے تین صدیوں میں عام ہو چکا ہو۔

۶. کھلے حرام سے اجتناب کر کے پھر مشتبہات سے بچنا معتبر ہوگا ورنہ ایسی احتیاط بے معنی ہے

۷. فتوے میں لحاظ رکھا جاتا ہے حدِ جواز کا، تقوے میں سامنے ہوتا ہے درجہ احتیاط، اب اگر فتویٰ مل جائے مگر دل نہ مانے تو شبہ سے پاک رائے پر عمل کرنا اولیٰ بھی ہے اور باعث نجات بھی کیونکہ اگر فتویٰ مل بھی جائے اور بات غلط ہو تو انسان کا پھر بھی محاسبہ اسکے اپنے عمل کے مطابق ہوگا نہ کہ مفتی کے بتائے مسئلے کے مطابق۔

اسی لئے جو حدیث حضرت وابصہؓ سے مروی ہے اسکا ایک ٹکڑا ہے کہ " چاہے لوگوں سے تو پوچھ لے اور وہ فتویٰ دے بھی دیں۔"

****

حدیث نمبر۱۲ : فضول باتوں اور کاموں سے اجتناب

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرَکُهٗ مَا لَایَعْنِیْهِ ۔

(حدیث حسن رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ’’انسان کے اسلام کی خوبی اسکا لایعنی (لغو) باتوں سے بچنا ہے ‘‘

(اس حدیث کو ترمذی اور دوسروں نے روایت کیا ہے، ابن ماجہ، ابن حبان نے ابو ہریرہؓ سے اور امام احمد نے روایت کی ہے)

شرح حدیث:

۱. ایک عالم کا کہنا ہے کہ خیر کی باتیں ۴ احادیث میں جمع کر دی گئیں ہیں۔

(۱) جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو خیر کی بات زبان سے نکالے یا خاموش رہے (۲) دوسری یہی حدیث

(۳) غصہ نہ کرنے کی حدیث (۴) جو اپنے لئے پسند کرو وہ اپنے بھائی کیلئے پسند کرو

۲. شرک میں قول بھی آجائے گا اور عمل بھی۔ اور لایعنی میں وہ سب آئے گا جو اسلام کی نظر میں برا ہو جسکا نہ دنیوی فائدہ ہو نہ اُخروی، اس طرح سے حرام، مکروہ، مشتبہ کے ساتھ بے فائدہ مباح بھی اس میں آئے گا۔

۳. جب حسن ہوگا اسلام میں تو اسلام میں کمال آئے گا اور اس کامل اسلام کی پہچان یہ ہے کہ دل میں ہر وقت اللہ کا خیال رہے اور ہر کام یا بات کرتے ہوئے یہ سامنے رہے کہ اسکی ضرورت ہے یا نہیں، فائدہ ہے یا نہیں۔

۴. لایعنی کا اکثر حصہ زبان سے وابستہ ہے کہ زبان سے بے فائدہ بات نہ ادا ہو اور نہ ہی حرام بات ادا ہو۔

۵. ابن حبان کی روایت ہے کہ ابو ذرؓ نے نبیؐ سے روایت کیا ہے کہ ابراھیمؑ کے صحف میں لکھا تھا کہ اگر عقل والا عقل کھو نہ بیٹھے تو اسکے پاس جو وقت ہے تو اس میں کچھ (۱) اللہ سے باتیں کرنے میں گزارے (۲) کچھ میں اپنا محاسبہ کرے (۳) کچھ میں اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں غور کرے (۴) کچھ وقت تنہائی کا رکھے اپنی ذاتی ضرورتوں کیلئے۔

اور عقلمند تین مصروفیات کے علاوہ اور باتوں میں مشغول نہ دیکھا جائے (ا) آخرت کیلئے تیاری (ب) دنیا کی زندگی کیلئے انتظام (ج) حرام میں پڑے بغیر لطف وتفریح۔

اور عقلمند وہ ہے جو اپنے زمانے کے حالات (اچھے برے) سے باخبر ہو، اپنی ضروریات اور اپنے کاموں میں لگا ہوا ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہو اور جس نے اپنے کلام یا بات کو عمل کی کسوٹی میں جانچا تو اسکا کہنا اتنا ہی ہوگا جتنی ضرورت ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ جس نے یہ حساب رکھا کہ وہی کہنا ہے جو کرنا ہے تو وہ اسکا خیال رکھے گا کہ وہی کہے جسکی ضرورت ہو، حضرت معاذؓ نے رسولؐ سے سوال کیا کہ ’’کیا ہم اپنی باتوں پر پکڑے جائیں گے؟‘‘ آپؐ نے فرمایا’’ معاذ تمہاری ماں تم پر روئے (یہ بددعا نہیں

ہے کہ بلکہ ایک اندازے سے کہنے کا، ایک طرح سے یہ لمبی عمر کی دعا ہے کہ تمہارا انتقال تمہاری ماں کے جیتے جی ہو) تم کو پتہ نہیں کہ وہ لوگ جو منہ کے بل جہنم میں جھونکے جائیں گے انکا جرم یہی تو ہوگا کہ وہ اپنی زبانوں کی بوئی کھیتی کاٹ کر اسکے مستحق ہونگے''

ام المؤمنین اُمِّ حبیبہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ ابن آدم جو بھی کہتا ہے وہ اسکے خلاف لکھا جاتا ہے سوائے اُمر بالمعروف، نہی عن منکر اور اللہ کی یاد میں کہے گئے جملے اور باتوں کے (کہ وہ اسکے حق مین لکھی جاتی ہیں)۔

قرآن میں سرگوشی کرنے کی خرابی بتاتے ہوئے کہا گیا کہ ''انکی سرگوشیوں میں کچھ خیر اور بھلائی نہیں ہے، سوائے اسکے کہ وہ صدقہ کا حکم دیں، معروف کا حکم دیں یا لوگوں میں اصلاح کیلئے صلح وصفائی کروائیں (سورۃ النساء ۱۱۴)

****

حدیث نمبر ۱۳ : پسند کا پیمانہ

عَنْ أَبِیْ حَمْزَۃَ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ خَادِمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ (خادم رسول اللہؐ) نے روایت کی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا " تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

شرح حدیث:

اس حدیث کو احمد، ترمذی نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

امام احمد کی روایت کے الفاظ ہیں " بندہ ایمان کی حقیقت کو اس وقت پہنچ سکے گا جب وہ لوگوں کیلئے وہی چاہے جو خیر کی بات اپنے لئے پسند کرتا ہو۔"

یہاں مومن نہ ہونے کا مطلب دونوں ہوسکتا ہے کہ ایمان سے ہی نکل جائے گا اور یہ بھی کہ ایمان تو ہوگا مگر اسکا کمال اسکی حقیقت اسی وقت ہو گی جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے۔

جیسے حدیث میں ہے کہ "جب کوئی بدکاری کرتا ہے تو اس وقت مومن نہیں ہوتا ہے، کوئی چوری کرتا ہے تو اس وقت مومن نہیں ہوتا ہے، کوئی شراب پیتا ہے تو اس وقت مومن نہیں ہوتا ہے"

دوسری حدیث میں ہے کہ وہ مومن نہیں ہے جسکے ظلم وایذا سے اسکے پڑوسی محفوظ نہ ہوں

1. اس میں علماء کی دو رائیں رہی ہیں کہ ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب مومن کو ان احادیث کی روشنی میں یہ مانیں گے کہ وہ مومن ہی نہیں رہا یا یہ کہیں گے کہ وہ مومن تو ہے مگر اسکا ایمان ناقص ہے (۱) جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ ایسا ناقص ایمان والا ہے (۲) ابن عباس، ابو ہریرہ، اور دیگر علماء سے یہ منقول ہے کہ وہ مسلمان کہلائے گا نہ کہ مومن، ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ "بدکار سے نورِ ایمان نکال لیا جاتا ہے"

ابو ہریرہؓ نے کہا کہ " ایمان اس حالت میں باہر نکل جاتا ہے اگر وہ توبہ کرلے تو پھر لوٹ آتا ہے " عبداللہ بن رواحہؓ اور ابو درداءؓ نے فرمایا کہ "ایمان قمیص کی طرح ہے کہ کبھی انسان اسکو پہنے ہوتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔"

2. اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ " کامل ایمان کی ایسی صفتیں ہیں جو پائی جاتیں تو ایمان کامل پایا جاتا ہے اور ان میں سے ایک ہے اپنے بھائی کیلئے وہ پسند کرتا جو خود کو پسند ہو۔ یہ نہ ہو تو وہ ادھورا ایمان ہے۔" جیسے ایک اور حدیث میں دوسری صفت بتائی کہ "افضل ایمان

وہ ہے کہ محبت ہو تو اللہ کیلئے ،بغض ہو تو اللہ کیلئے ''(احمد،ضعیف)

ایک اور موقع پر آپ ؐ نے ابوذرؓ سے کہا کہ'' اے ابوذر! (جنھوں نے کسی عہدہ پر مامور کرنے کی بات کہی ہے) مگر میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے چاہتا ہوں کہ تم دو آدمیوں پر بھی ذمہ دار نہ بنو، نہ مالِ یتیم کے رکھوالے بنو۔'' (مسلم)

ایک اور حدیث میں کہا'' جو یہ پسند کرتا ہے جہنم سے بچالیا جائے اور جنت میں داخل ہو سکے تو اسکو موت اس حال میں آئے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کے ساتھ اس طرح سے پیش آئے جیسے وہ چاہتا ہو کہ وہ اسکے ساتھ پیش آئیں۔'' (مسلم، بخاری)

۳. صرف محبت کا یہی مطلب نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ انکی تکلیف میں شریک ہو، اسکو دور کرنے کی کوشش کرے، جیسا کہ حدیث میں ہے ''مؤمنین کی مثال آپسی محبت اور ایک دوسرے کی خبر گیری میں اور ایک دوسرے پر رحم کے ساتھ معاملے میں ایک جسم جیسی ہے کہ ایک حصہ کو درد ہو جائے تو سارا جسم بخار کی تپش اور بے آرامی میں شریک ہوتا ہے ''

۴. اس محبت کا تقاضا کہ دل میں حسد، کینہ، بغض، دھوکہ دہی کا خیال نہ ہو کہ یہ صفات چاہتی ہیں کہ دوسرے کو جو ملا ہے وہ چھن جائے اور مجھے مل جائے جبکہ اسلام کہتا ہے کہ دوسروں کو شریک کرو، اچھا دیکھ کر خوش ہو۔

۵. ایسی حالت میں تواضع آتی ہے اور تکبر وغرور سے دوری ہوتی ہے آپ ؐ نے فرمایا'' تکبر، حق کو دبانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے ''

۶. دین میں خیر خواہی کا جو مقام ہے اسکا بھی یہی حق ہے۔

۷. قیامت کے دن اللہ کیلئے محبت کرنے والوں کو الگ سے پکارا جائے گا۔

****

حدیث نمبر ۱۴: مسلمانوں کی جان کی حرمت

عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ : اَلثَّیِّبُ الزَّانِیْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِیْنِهٖ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا " کسی مسلمان کا خون بہانا حلال نہیں ہے سوائے اسکے کہ وہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات کر بیٹھے۔ شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کرے، کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے، اپنا دین (اسلام) چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جائے (یعنی مرتد ہو جائے) (بخاری، مسلم)

شرح حدیث:

۱. مسلم کی روایت میں **"التارک للاسلام"** کا لفظ ہے یعنی اسلام ترک کرنے والا۔

۲. نسائی ترمذی کی روایت میں ہے کہ ایک مسلمان کا خون بہانا ان تین حالتوں میں جائز ہے (۱) کفر اختیار کرے اسلام لانے کے بعد (۲) بدکاری کرے محصن ہونے کے بعد (۳) ایک اور جان کو قتل کر دے۔

۳. نسائی کی روایت میں ہے کہ "(۱) جو شخص بدکاری کرے اور وہ شادی شدہ ہو تو اسکی سزا رجم ہے (۲) جان بوجھ کر قتل کیا تو اسکی سزا جان ہے (۳) اسلام کے بعد مرتد ہوا تو اسکی سزا قتل ہے"

۴. جو شخص شادی شدہ ہو اور پھر کسی طرح سے بدکاری میں پڑے اور ثابت ہو جائے تو اسکی سزا کنکری مار کر ختم کرنے کی ہے جسکو "رجم" کہتے ہیں۔ اس پر علماء امت کا اجماع ہے، غیر شادی شدہ بدکاری کی سزا ۱۰۰ کوڑے ہیں جسکا ذکر قرآن میں ہے، رجم کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، مگر یہ حدیث سے ثابت ہے قولی طور پر بھی اور عملی طور سے بھی، اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

۵. عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن مجید کی آیت "اے اہل کتاب تمہارے پاس جو رسول آیا ہے وہ بہت سی کتاب کی چھپائی باتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے (جو کتاب میں تھیں) اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔" (سورۃ المائدۃ ۱۵) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس نے رجم کا انکار کیا اس نے جانے بغیر قرآن کا انکار کیا ہے، کیونکہ رجم ان باتوں میں سے ہے جسکو یہود نے چھپا دیا تھا (نسائی، حاکم)

۶. اگر ایک مکلّف شخص کسی کو بغیر سبب کے جان بوجھ کر قتل کر دے تو اسکی سزا قتل ہے، قرآن میں ہے " ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے" (سورۃ المائدۃ ۴۵)

(اس طرح سے دیکھئے آیت نمبر ۷۸ سورۃ البقرۃ) اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے............

اس حکم میں کچھ استثنائی پائی جاتی ہے (۱) باپ کو بیٹے کے بدلے میں نہ قتل کیا جائے (۲) مسلم اگر کافر کو قتل کرے تو اسکے قتل کے بارے میں دو رائیں ہیں (ا) جمہور کے نزدیک نہیں (ب) ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسکی سزا قتل ہے (۳) مرد اور عورت کے درمیان

تفریق نہیں ہے، مرد عورت کو قتل کرے تو بھی حکم نافذ ہو گا

۷. دین چھوڑ کو کسی اور مذہب کی طرف جانے والا قتل کا حقدار ہے۔ اس حکم کے نافذ کرنے سے قبل اس شخص کو توبہ کا موقع دیا جائے گا اور صحبت تمام کی جائے گی تب بھی وہ نہ مانے تو تب سزا ہو گی۔ایک حدیث ہے ’’ جس نے اپنا دین بدلا اسکو قتل کرو ‘‘ (احمد، بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

۸. ان تین اسباب کے علاوہ اور بھی سبب ہیں جن سے قتل کا حکم دیا جا سکتا ہے (۱) اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا اور حکومت کے نظام کو خراب کرنے والا

(۲) قوم لوط کا عمل کرنے والا (۳) جادوگر (۴) جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا اس طرح کہ اسکی فرضیت کا انکار کرے (۵) جو شخص کسی پر ہتھیار اٹھا کر ڈرائے یا حملہ کرے

(۶) دشمن کیلئے جاسوسی کرنے والا (۷) رسول ؐ کی توہین کرنے والا

****

حدیث نمبر ۱۵ : مومن کی صفات

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ : مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لَیَصُمُتْ، وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُکْرِمُ جارَهُ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهٗ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ’’ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کا احترام کرے (اسکو ایذا سے محفوظ رکھے) اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے (اور خاطر تواضع کرے)۔‘‘

(بخاری و مسلم)

اسکو ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے (عائشہؓ، ابومسعود، ابن عمرو، ابوایوب، ابن عباس سے بھی)

شرح حدیث:

۱. ایمان کے ۷۰ سے زیادہ حصے ہیں، یہ اعمال بھی ان میں سے ہیں۔

۲. ایمان کا تعلق جہاں اللہ کے حقوق سے ہے کہ انسان واجبات ادا کرے اور حرام سے بچے اسی طرح حقوق العباد سے بھی ہے، بھلی بات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور پڑوسی و مہمان کی عزت حقوق العباد سے متعلق ہے

۳. یا تو وہ بات کہے جس میں کوئی خیر نہ ہو یا پھر خاموش رہے۔ اس سلسلے میں بعض احادیث سے مزید تشریح ہوتی ہے۔

اسود بن اُصرم سحابیؓ کہتے ہیں کہ ’’میں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ مجھے وصیت کیجئے‘‘ آپؐ نے پوچھا ’’تم کو اپنی زبان پر قابو ہے؟‘‘ اسود نے کہا ’’کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ مجھے قابو نہ ہو۔‘‘ آپؐ نے فرمایا کہ ’’تم کو اپنے ہاتھ پر قدرت ہے؟‘‘ اسود نے کہا ’’کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ مجھے ہاتھ پر بھی قابو نہ ہو۔‘‘ اسکے بعد آپؐ نے فرمایا’’ پھر تم زبان سے وہ کہو جو معروف ہو اور اپنے ہاتھ کو استعمال میں صرف خیر کیلئے لاؤ‘‘

(طبرانی کی روایت۔ضعیف)

ایک اور حدیث میں آپؐ سے انسؓ نے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا’’ بندے کے ایمان میں استقامت نہ آئے گی جب تک اسکا دل مستقیم نہ ہو جائے اور اسکے دل کی استقامت زبان کی استقامت کے ساتھ ہے‘‘۔ (احمد۔ضعیف)

ایک اور حدیث ہے کہ آپؐ نے معاذؓ سے فرمایا’’ تم اس وقت تک محفوظ ہو جب تک تم خاموش ہو، جب تم نے بات کر لی تو پھر یا تو وہ تمہارے حق میں ہے یا تمہارے خلاف۔‘‘ (ترمذی، طبرانی)

ایک اور حدیث ہے کہ ’’ایک شخص کبھی سوچے بغیر ہی ایسا جملہ کہہ دیتا ہے جس سے وہ اللہ کی خوشنودی کا مستحق بن جاتا ہے اور اسکے درجات

بلند ہو جاتے ہیں جبکہ ایک اور شخص یونہی جملہ کہہ دیتا ہے اور اسکے باعث اسکو جہنم میں دھکیل دیا جاتا ہے '' (بخاری، مسلم)

۴. خیر دنیا کا بھی ہوسکتا ہے اور آخرت کا بھی مگر خیر کا معیار اسلام بتائے گا نہ کہ ہم خود طے کریں گے، اس طرح خاموشی اس وقت بہتر ہے جب بولنا مفید نہ ہو، مگر جب خلافِ حق بات ہو تو اس وقت کہہ دینا بہتر ہے نہ کہ خاموش رہنا۔

۵. جتنی ضرورت ہو اس سے زیادہ بات فضول ہے یا تو وہ بے معنی ہے تو لغو سے اجتناب کے تحت آتی ہے یا غلط تو پھر وہ ممانعت میں آئے گی۔ ابن مسعودؓ نے کہا'' فضول باتوں سے بچو، ایک آدمی کی اتنی بات کافی ہے جسکی ضرورت ہے۔''

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا'' اللہ کے ذکر کی بات اور اللہ کی یاد کے ساتھ بات کے علاوہ ادھر ادھر کی باتیں نہ کرو کہ ایسی باتوں سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اللہ سے سب سے دور سخت دل والے ہوتے ہیں۔ (ترمذی، حسن غریب)

۶. علم کی بات معلوم ہو تو اسکو چھپانا غلط ہے اور ایسے موقع پر بولنا بہتر ہے احنف بن قیسؒ نے کہا کہ خاموش کا فائدہ صرف اسی کو ہوگا جبکہ بولنے کا فائدہ سننے والوں کو ہوگا۔

۷. <u>اکرام</u> کا ایک مطلب ہے اذیت نہ دینا، ایذا رسانی سے بچنا، اسی لئے آپؐ نے فرمایا کہ'' وہ شخص مومن نہیں ہے جس سے اسکے پڑوسی اسکے ایذا سے محفوظ نہ ہوں (بخاری) اور ایذا کا تعلق زبان سے سب سے پہلے پھر دوسری طرح سے یہ ایذا عمل سے ہوسکتا ہے۔

۸. دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے اور پڑوسی تین درجے کے ہیں (۱) رشتے دار مسلم پڑوسی (۲) مسلم پڑوسی (۳) غیر مسلم پڑوسی ۔ جبکہ دیگر پڑوسیوں میں'' سفر کے ساتھی اور ایک جگہ کام کرنے والے آئیں گے'' اور اس سلسلے میں کافر اور مسلم برابر ہیں اگرچہ قریب والا پہلے حقدار ہے۔

۹. ایک حدیث میں ہے کہ'' مجھے جبریلؑ نے پڑوس کے بارے میں اتنی بار توجہ دلائی کہ میں سمجھا شاید اب پڑوسی کو میراث میں بھی شریک کرنے کا حکم آجائے گا۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مومن کے شایان شان نہیں ہے کہ اسکا تو پیٹ بھرا ہو اور اسکا پڑوسی بھوکا رہے (احمد، حاکم۔ضعیف)

۱۰. اکرام جار کا پہلو ایک یہ بھی ہے کہ اسکی تکلیفوں کو برداشت کرلیا جائے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں'' حسنِ جوار (پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک) یہ نہیں ہے کہ ایذا سے ہاتھ روک لیں بلکہ صحیح حسن سلوک یہ ہے کہ اسکے ایذا کو جھیلا جائے۔''

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص نے دوسرے کی تعریف کی تو آپ نے پوچھا'' کیا تم نے اسکے ساتھ سفر کیا؟ کیا اسکے ساتھ تجارت کی؟ کیا اسکے پڑوسی میں رہے؟'' اس نے کہا'' نہیں'' تو آپ نے کہا'' پھر تم نے شاید اسکی نمازیں دیکھ کر اسکی تعریف کردی ہے''۔

اور حضرت ابوحنیفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ انکے پڑوسی نے گھر بیچتے ہوئے کہا کہ مکان کی قیمت تو اتنی ہے مگر پڑوسی کی قیمت مزید ہے۔

۱۱. <u>مہمان کی عزت و توقیر</u>: ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا'' جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ مہمان کا اکرام کرے اسکو اسکا حق دے کر'' آپؐ سے سوال ہوا کہ'' اسکا حق کیا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا'' ایک دن اور ایک رات کی مہمانی جبکہ تین دن تک مہمانی چلتی

ہے پھر اسکے بعد جو بڑھائے تو یہ صدقہ ہے" (بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث ہے کہ" مہمانی بطور مہمان کے حق کے تین دن تک ہے اس سے بڑھ جائے تو وہ صدقہ ہے"

۱۲۔ اب یہ حق دینی اور اخلاقی ہے قانونی نہیں ہے کہ حکومت مداخلت کر کے یہ حق دلوائے۔

۱۳۔ پہلے زمانے میں جبکہ نہ ہوٹل تھے نہ مسافر خانے، اسوقت کسی شہر میں نئے مہمان کا جگہ پانا مشکل تھا، اب وہ مشکل نہیں، مگر اخلاقی تقاضا پھر بھی موجود ہے۔

۱۴۔ میزبانی کی جہاں یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مہمانی کا حق ادا کرے وہیں مہمان کا حق ہے کہ وہ اسکے لئے مشکل نہ پیدا کرے، بلاضرورت قیام کر کے، ایسے مطالبے کر کے جو میزبان کیلئے مشکل ہوں۔ اس لئے جو حاضر ہو اور بآسانی میسر ہو اس سے میزبانی ہونی چاہئے۔

ایک اور حدیث ہے کہ" ہم کو رسول اللہؐ نے اس بات سے روکا کہ ہم مہمان کیلئے اپنی گنجائش سے بڑھ کر بتکلف کچھ کریں" (احمد)

دوسری حدیث ہے کہ "مہمان کیلئے صحیح نہیں ہے کہ کسی کے پاس اس طرح سے قیام کرے کہ اسکو دشواری ہو جائے

(بخاری، مسلم، احمد وغیرہ)

****

حدیث نمبر ١٦: غصہ پینا

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ” اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِنَّبِیِّ ﷺ : اَوْصِنِیْ، قَالَ تَغْضَبْ ، فَرَدَّدَمِرارًا، قَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ” ایک شخص نے نبیؐ سے عرض کیا کہ مجھے آپؐ نصیحت فرمائیں “ آپؐ نے فرمایا:” غصہ نہ کرو“اس شخص نے یہ بات کئی مرتبہ دہرا کر پوچھی تو جواب میں آپؐ یہی فرماتے رہے” غصہ نہ کرو“ ۔ (بخاری)

اس حدیث کواحمد، مالک،ترمذی، حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح حدیث: ا. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غصہ برائی کی جڑ ہےاوراس سے بچ جائیں توخیر آسان ہوجاتا ہے،عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ”حسن اخلاق کوایک لفظ میں بتائیے“۔آپؒ نے کہا کہ” غصہ کوترک کرنا حسنِ اخلاق ہے۔“ اورحدیث میں اسی لئے حسنِ اخلاق کوافضل عمل کہا گیاہے کہ وہ آجائے تو پھر خیر کا معاملہ آسان ہوتا ہے۔

قرآن میں مومن کی صفت میں آیاہے کہ” جب وہ غصہ میں آجاتے ہیں تب معاف ودرگذر کرتے ہیں“ (سورۃ شوریٰ : ٣٧)

دوسری جگہ کہا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو” غصہ کو پی جاتے ہیں اورلوگوں سے درگذر سے کام لیتے ہیں اوراللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (سورۃ آلِ عمران: ١٣٤)

٢. غصہ ایک فطری صفت ہے اسکا حق کیلئے استعمال اللہ کو پسند ہے،نفس کیلئے ناپسند ہے، پھرغصہ میں آجائے تو اسکودور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ **” اعوذ باللّٰہ “** کہےاورجیسا کہ

حدیث میں ہے ” کھڑاہوتو بیٹھ جائے“ (بخاری ومسلم) ” وضوکرلے“ (احمد،ترمذی کی روایت)

٣. کمزوراور بےبس پرغصہ دکھانا اوراس موقع پرضرورت سے زیادہ کارروائی کرنا اوربھی بری بات ہےاوراس موقع پر زبان سے غلط بات نکالنی اوربھی بری بات ہے ، جیسا کہ نفاق کی ایک علامت ہے کہ جب لڑے تو گالی گلوچ کرے

٤. ایک حدیث میں ہے کہ ”غصہ شیطان سے ہےاورشیطان آگ سے ہےاور پانی آگ کو بجھاتا ہےتو جب غصہ آئے تو وضوکرلیا کرو“ (احمد،ابوداؤد،ترمذی)

٥. دوسری حدیث ہے کہ ” بہادر پہلوان وہ نہیں ہے جوکسی زورآور پہلوان کو پچھاڑ دے،اصل طاقت ورتو وہ ہے جوغصہ کے موقع پر اپنے آپ پرقابو رکھے “

٦. آپؐ کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں ” اے اللہ! میں تجھ سے اس بات کی توفیق مانگتا ہوں کہ غصہ ہو یا رضامندی کی حالت ہر حال میں کلمہ حق کہوں“ (احمد،نسائی،ابن حبان)

۷. عائشہؓ سے سوال ہوا کہ '' آپ ؐ کے اخلاق کیسے تھے؟'' آپ ؓ نے کہا کہ '' آپ ؐ کے اخلاق کو دیکھنا ہو تو قرآان کو دیکھو، کہ جس سے اللہ راضی ہوتا، وہ اس سے راضی تھے اور جس سے اللہ ناراض ہوتا اس سے ناراض ہوتے'' (احمد، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

۸. قاضی کیلئے ہدایت ہے کہ فیصلہ اس وقت نہ دے جب غصہ کی حالت میں ہو کہ کہیں غلط فیصلہ نہ دے دے۔

۹. فقہی احکام غصہ کی حالت میں بہر حال نافذ ہوں گے جیسے کوئی غصے میں طلاق دیدے کہ گناہ الگ بات ہے اور اسکا فقہی اثر اور بات ہے۔

۱۰. غصہ کا فوری اثر جو بھی ہو مگر اسکے زائل ہوتے ہی سب سے پہلا نتیجہ ندامت ہوتا ہے۔ ایک آدمی ابن عباسؓ کے پاس آیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں ہیں، مگر میں اسوقت غصہ میں تھا آپ ؐ نے کہا کہ جس کو اللہ نے حرام کردیا وہ حلال نہیں ہوسکتا ہے، تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی مگر تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی۔ (یعنی غصہ کا گناہ اپنی جگہ حکم اپنی جگہ)

ہاں ایسے غصہ میں حکم نافذ نہ ہوگا جب وہ ہوش میں رہے نہ اسکو یاد رہے کہ غصہ میں اس نے کیا کہا تھا۔ حدیث میں ہے '' اس غصہ میں طلاق نافذ نہ ہوگی جو عقل کو باندھے''

****

حدیث نمبر ۱۷: کام سلیقے سے کرنا

عَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوْا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوْا الذِّبْحَۃَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ۔

(رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابویعلی شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام خوش اسلوبی سے کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا جب کسی کو (کسی جائز سبب سے) قتل کرو اور جب جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور تمہیں چاہیے کہ چھری کو تیز کر لو اور ذبح ہونے والے جانور کو راحت پہنچاؤ'' (مسلم)

یہ حدیث احمد، بخاری، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے بھی اسکو روایت کیا ہے۔

شرح حدیث: ۱. انسؓ کی ایک روایت ہے کہ''جب تم فیصلہ کرو تو انصاف کیساتھ فیصلہ دو، اور جب تم (دشمن کو) قتل کرو تو ٹھیک سے کرو کہ اللہ خود محسن ہے اور احسان کرنے والوں کو چاہتا ہے (طبرانی)

۲. قرآن میں ہے کہ'' اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا'' (سورۃ نحل: ۹۰) دوسری جگہ ہے کہ'' احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (سورۃ بقرۃ: ۱۹۵)

۳. احسان کا ایک مطلب تو وہ ہے جو حدیث جبرائیل میں ہے، اسکے مطابق عبادت کا اعلیٰ ترین حصہ احسان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک کام کو اس طرح کرنا کہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے معیاری ہو اور اعلیٰ ترین ہو کہ (Perfection) کے جتنے قریب ہو سکیں ہو جائیں۔

۴. احسان میں واجبات پہلے آئیں گے کہ انکو ظاہری احکام کے مطابق بھی ادا کریں اور باطنی لحاظ سے بھی قلبی کیفیت پوری طرح سے پائی جائے۔

۵. احسان میں محرمات بھی آئیں گے کہ چھوڑیں اور دل سے بھی نکال دیں (جیسا کہ سورۃ انعام: ۱۲۰)'' گناہ کو چھوڑ دو ظاہراً بھی باطناً بھی۔''

۶. احسان میں واجبات سے بڑھ کر جو کام ہیں وہ آجائینگے جیسے یہ حدیث اور قرآن کی آیت '' اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا (نحل: ۹۰) کہ عدل تو وہ ہے جو قانون کے مطابق ہو اور احسان یہ ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ کر دیا جائے جیسے شوہر، بیوی کے حقوق کے ساتھ اللہ نے یہ بھی کہا '' آپس میں کچھ حق سے زیادہ کرنا یا دینا نہ بھولو'' (بقرۃ: ۲۳۷)

۷. احسان تو ہر شے میں مطلوب ہے مگر یہاں دو مثالیں دی گئی ہیں، مگر احسان ان دو تک محدود نہیں ہے۔

۸. قتل میں احسان یہ ہے کہ جب سزا میں قتل کا بدلہ قتل ہو، یا جنگ میں قتال ہو تو مارا تو جائے مگر مزید انتقامی بات نہ ہو جیسے **"مُثْلَه"** کرنا یعنی جسم کو بگاڑ دینا، ایذا کے ساتھ قتل کرنا قاتل کے علاوہ کو انتقام کا شکار بنانا، پوری بستی کو تباہ کرنا۔

۹. جانور کو ذبح کرنے کی اجازت میں جہاں نجاست اور حرام حصے سے پاک کو الگ کرنا ہے وہیں جانور کو کم سے کم ایذا دینا بھی شامل ہے اس لئے جانور کو دھار دار آلے سے ذبح کرنا چاہیئے۔نشانہ بازی کیلئے جانور کو مشق نہ بنایا جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ" ایک شخص نے نبیؐ سے کہا " اے اللہ کے رسولؐ میں بکری کو رحم کے ساتھ ذبح کرتا ہوں" آپؐ نے فرمایا " اگر اسکو ذبح کرتے ہوئے رحم کا معاملہ کرو گے تو اللہ تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ کے گا " (احمد)

****

حدیث نمبر ۱۸: مثالی مومن

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَاَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاتْبِعْ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسِ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوذر جندب بن جنادہ اور حضرت ابوعبدالرحمٰن معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا '' تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور گناہ ہو جانے کے بعد نیکی کرو، وہ نیکی گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں سے حسن سلوک (اچھے اخلاق) سے پیش آؤ '' (ترمذی، حسن یا حسن صحیح)

یہ حدیث احمد، حاکم، بیہقی، دارمی، طبرانی نے بھی روایت کی ہے۔

شرح حدیث: ۱. مسند بزار کی حدیث معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے انکو ایک آبادی کی طرف بھیجا تو معاذؓ نے کہا کہ '' مجھے ہدایت دیجئے '' رسول اللہؐ نے فرمایا '' سلام کو عام کرو، کھانے کی دعوت بار بار دو اور اللہ سے ایسی حیاء کرو جیسی کسی طاقتور شخص سے کرتے ہو ، اور جب کوئی برائی سرزد ہو جائے تو پھر اچھائی کرو، اور اپنے اخلاق کو جس حد تک اچھا بنا سکتے ہو بناؤ ''

۲. اسی معنی کی وہ حدیث ہے کہ جو ابو ہریرہؓ نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے، آپؐ سے سوال کیا گیا '' کس عمل کی بنا پر لوگ جنت میں سب سے زیادہ داخل کئے جائیں گے؟ '' آپؐ نے فرمایا '' اللہ کا تقویٰ، اور حسنِ اخلاق '' (احمد، ابن ماجہ، ترمذی، ابن حبان)

۳. یہ بہت ہی عظیم وصیت ہے جس میں حق اللہ اور حق العباد دونوں آ گئے ہیں، اللہ کا حق یہ ہے کہ اسکے ساتھ تقویٰ کا معاملہ ہو، تقویٰ دو چیزوں کا نام ہے (۱) **'' وَقَایَة ''** یعنی تحفظ اور بچاؤ، یہ حاصل ہوتا ہے اللہ کے عذاب سے بچ کر اور اس کیلئے برائی سے بچنا ضروری ہے (تغابن:۱۶)

(۲) دوسری چیز **'' اتقاء ''** یعنی زاد راہ لینا کہ '' بہترین زاد راہ تقویٰ ہے '' (بقرۃ:۱۹۷) اس طرح سے تقویٰ اللہ کے عذاب کے خوف کا نام ہے اور اللہ کی یاد اور ذکر کو ہر وقت سامنے رکھنے کا نام ہے

۴. تقویٰ کا ایک معیار تو یہ ہے کہ اسکا حق ادا کیا جائے (آلِ عمران ۱۰۲) دوسرا معیار عملی ہے کہ استطاعت بھر کیا جائے (تغابن:۱۶)

۵. معاذ بن جبلؓ نے کہا : '' متقی وہ ہیں جو شرک سے بچیں اور صرف اللہ کی مخلصانہ عبادت کریں ''

ابن عباسؓ نے کہا : '' جو اللہ کی سزا سے بچنے کا سامان کریں اور اللہ کی بھیجی ہدایت کو مانیں اور اپنائیں ''

حسن بصریؒ نے کہا : '' متقی وہ ہیں جو اللہ کے حرام سے بچیں اور اللہ کے فرائض کو ادا کریں ''

ابن مسعودؓ نے کہا: '' اللہ کی اطاعت ہو نافرمانی نہ ہو، اللہ کو یاد رکھا جائے بھلا نہ دیا جائے، اسکی شکر گزاری ہو ناشکری نہ ہو تو تقویٰ کا حق ادا ہوا ''

ابودرداءؓ نے کہا: '' تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ وہ ایسی بات کو بھی ترک کردے جسکے بارے میں شبہ ہو ''

ایک حدیث میں یہ معنی اس طرح سے ادا ہوئے ہیں '' بندہ متقی نہیں ہوسکتا ہے جب تک وہ ایسی جائز بات کو بھی اسلئے چھوڑ دے کہ اسکے باعث کھٹک ہوتی ہو '' (ترمذی، حاکم، ابن ماجہ)

٦. توبہ بھی تقویٰ میں داخل ہے، ایسا اس لئے ہے کہ انسان کمزوری کے باوجود تقویٰ کو حاصل کرسکے (طلاق:٣)

٧. بھلائی کو برائی کے پیچھے لگادو، برائی کے بعد برائی باعث سزا مگر بھلائی کرکے پچھلا گناہ بھی دھلتا ہے اور پھر سے نیکی کے ساتھ رشتہ قائم ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ '' اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا ہے لیکن برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے کیونکہ خبیث سے خبیث کو صاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔'' (احمد، ابن مسعودؓ)

٨. جہاں یہ خود انسان کے اپنے ساتھ ہے وہیں دوسروں کیلئے بھی کہ کسی کی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے کر بھلائی سے دیا جائے جیسا کہ قرآن میں ہے '' اچھائی اور برائی یکساں نہیں ہوسکتی ہیں، تو تم بہتر ہے برائی کو دور کرو (برائی کا بدلہ بھلائی سے دو) پھر اچانک جو تمہارا دشمن تھا وہ ایسا ہوجائے گا جیسے گرم جوش دوست ہو '' (فصلت : ٣٤)

٩ '' لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔'' یہ بھی تقویٰ کا ایک اظہار ہے بلکہ تقویٰ اسکے بغیر مکمل نہیں ، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ صرف اللہ کی عبادت سے متعلق ہے اور حقوق العباد سے اسکا تعلق نہیں ہے۔

حارث صحابی نے کہا '' تین باتیں بڑی نادر ہیں (۱) حسن صورت اسکی حفاظت کیساتھ (۲) حسن اخلاق دینداری کیساتھ (۳) حسن اخوت امانتداری کیساتھ

١٠. نبیؐ نے حسن اخلاق کو ایمان کی کامل ترین صفت کے طور پر بتایا ہے جیسا کہ حدیث ہے کہ '' مومنین میں کامل ترین ایمان والے وہ ہیں جو سب سے بڑھ کر حسن اخلاق والے ہیں ''

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ سے سوال ہوا کہ '' ایک مسلم شخص کو جو بھی ملے اس میں افضل ترین چیز کیا ہے'' آپؐ نے جواب دیا '' حسن اخلاق'' (احمد ، نسائی ، ابن حبان)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا '' ایک مومن اپنے حسن اخلاق سے روزہ دار، تہجد گزار کے درجے کو پالیتا ہے '' (احمد، ابو داؤد، ابن حبان، حاکم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ '' کیا میں تم کو انکے بارے میں نہ بتاؤں جو اللہ کو زیادہ محبوب ہیں اور میری مجلس میں مجھ سے زیادہ قریب ہیں ؟ '' صحابہ اکرامؓ نے کہا '' کیوں نہیں '' آپؐ نے فرمایا '' یہ وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے بڑھ کر ہونگے '' (احمد ، ابن حبان)

١١. حسن اخلاق میں اذیت جھیلنا ، فیاضی کیساتھ معاملہ کرنا ، غصہ کو برداشت کرنا ، مسکرا کر بات کرنا ، ایذا رسانی سے بچنا ، سب آتے ہیں مگر یہ چاپلوسی ، مدافعت یا منافقت کا نام نہیں ہے، منکر سے روکنا اسکے ساتھ جاری رہے گا، معروف کو معروف طریقے سے

اانجام دینا اس میں آئے گا۔ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ''حسن اخلاق یہ ہے کہ تو اس سے جڑے جو تجھ سے کٹے،اسکو دے جو تجھے نہ دے اور اسکو معاف کردے جو تیرے ساتھ زیادتی کرے۔'' (طبرانی ،احمد،حاکم)

****

حدیث نمبر ۱۹: بہترین توکل

عَنْ اَبِیْ الْعَبَّاسِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ : يَا غُلَامُ اِنِّی اَعَلِّمُکَ كَلِمَاتٍ، اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْکَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَکَ، اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ ، وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ، وَاعْلَمْ اَنَّ الْأُمَّةَ لَواجْتَمَعَتْعَلٰی أَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَکَ وَ اِنِ اجْتَمِعُوْا عَلٰی اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَیْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهِ عَلَيْکَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ.'' رَوَاهُ التِّرمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَن صَحِيْحٌ وَفِیْ رِوَايَةِ غَيْرِ التِّرْمِذِی: احْفَظِ اللّٰه تَجِدْهُ أَمَامَکَ، وَتَعَرَّفْ اِلٰی اللّٰهِ فِی الرَّخَاءِ يَعْرِفْکَ فِی الشِّدَّةِ وَاعْلَمْ اَنَّ مَا اَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَکَ، وَمَا أَصَابَکَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَکَ، وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَمَعَ الصَّبْرِ ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَ أَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔

ترجمہ: حضرت ابوالعباس عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نبی کریمؐ کے پیچھے چل رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا ''اے لڑکے! میں تمھیں چند باتیں سکھاتا ہوں، اللہ کا دھیان رکھو، وہ تمھاری حفاظت کرے گا، اللہ کو یاد رکھو تو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب بھی سوال کرنے کی نوبت آئے تو اللہ ہی سے سوال کرو، جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ ہی سے مدد مانگو اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اگر ساری امت اس غرض سے جمع ہو جائے کہ تمہیں نفع پہنچائے تو وہ تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر سارے لوگ اس غرض سے جمع ہو جائیں کہ تمہیں نقصان پہنچائیں تو اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے فیصلے لکھنے والے قلم اٹھالے گئے اور صحیفوں کی تحریری سوکھ چکی ہیں۔''

ترمذی کے علاوہ دوسری رویت میں یہ الفاظ ہیں:

'' اللہ کا دھیان رکھو، تم اسے اپنے پاس پاؤ گے آرام وراحت کے زمانے میں اللہ کا خوب دھیان رکھو، وہ سختی کے زمانے میں تمہارا دھیان رکھے گا، اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے وہ تم تک پہنچنے والی ہی نہ تھی اور جو مصیبت تم پر آئی ہے، وہ تم سے ٹلنے والی ہی نہیں تھی اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ مدد صبر سے وابستہ ہے اور کشادگی تکلیف کے ساتھ ہے اور یہ بھی یقین رکھو کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

اس حدیث کو احمد، ترمذی، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی، نے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کے راویوں میں علی بن ابی طالب، ابوسعید خدری، سہل بن سعد، عبداللہ بن جعفر بھی ہیں۔

شرحِ حدیث:

١. یہ حدیث عظیم ترین ہدایات کا عظیم ترین سرمایہ ہے، اس میں دین کے ایسے بنیادی اصول بیان ہو گئے ہیں جنکی ہر ایک کو ضرورت ہے۔

٢. حدیث کے جو قواعد ہیں انکے لحاظ سے یہ حدیث اہم نمونہ ہے کہ راوی کس طرح سے یہ حدیث سنتا ہے، حضورؐ کس طرح سے تربیت کرتے تھے۔

٣. اللہ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اسکے متعین کردہ حدود کا خیال رکھو، اسکے جو حقوق ہیں انکو ادا کرو، اسکے احکام پر عمل کرو اور اسکے روکے ہوئے حرام کاموں سے بچو۔

قرآن مجید میں ہے کہ ''یہ ہے وہ جسکا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اور یہ ہیں ہر اس کیلئے جو حفیظ ہے جو رحمٰن کی خشیت کا دیکھے بغیر خیال رکھتا ہے اور جو اسکے پاس رجوع کرنے والا دل لیکر حاضر ہوگا'' (سورۃ ق: ٣٢۔٣٣) حفیظ کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ جو اللہ کے احکام کی محافظت رکھے اور گناہوں میں پڑ جائے تو توبہ کر لے۔

٤. اللہ کی حفاظت کے تحت یہ امور آئینگے (١) نماز کی حفاظت (نمازوں کی حفاظت کرو اور وسطیٰ نماز کی (بقرۃ : ٢٣٨)

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے نماز کی حفاظت کی تو وہ اسکے لئے نور، یقینی ثبوت، اور نجات کا ذریعہ بنے گی، قیامت کے دن (دارمی، ابن حبان)

(٢) طہارت کی حفاظت جس میں نجاست سے طہارت، وضو، غسل تیمّم سب آئے گا۔ حدیث میں ہے کہ'' وضو کی حفاظت وہی کرے گا جو مومن ہو'' (دارمی، ابن حبان)

(٣) قسم کی، عہد و پیمان کی حفاظت (اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ سورۃ المآئدۃ : ٨٩) (٤) آنکھ، کان، زبان کی حفاظت

(٥) پیٹ کی حفاظت (٦) شرمگاہ کی حفاظت (دیکھیئے سورۃ المومنون: ١ تا ٦)

٥. ''اللہ حفاظت کرے گا'' (١) دنیاوی امور میں حفاظت جیسے بدن میں، مال میں، اولاد میں، یہاں تک کہ موت کے بعد بھی نیک نامی کے ذریعے۔ (٢) دوسری حفاظت یہ ہے کہ اللہ بندے کا دین اور ایمان اس طرح سے محفوظ رکھے گا کہ شبہات سے بچا رہے اور شہوت سے محفوظ رہے، یہاں تک کہ ایمان پر اسکا خاتمہ ہو۔

٦. اللہ سے جڑے رہو تو وہ سامنے رہے گا۔ یعنی اسکی معیّت اور ساتھ حاصل رہے گا۔ اور جب ساتھ ہے تو پھر مدد بھی حاصل ہے۔

٧. اللہ کو بھلے وقت میں پہچانو تو وہ برے وقت میں یاد رکھے گا۔ معرفت رب کی ایک قسم ہے تو صرف ایمان لانے تک ہے دوسری یہ ہے کہ ہر چیز سے کٹ کر بس اللہ کیلئے ہو جائے۔

سلمان فارسی کہتے ہیں جب ایک شخص اللہ کو خوشحالی میں یاد رکھتا ہے تو جب وہ تنگی میں اسے پکارتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ تو پہچانی آواز ہے

پھروہ اسکی سفارش کرتے ہیں، اوراگروہ خوشی کے وقت یادنہیں رکھتاہےتوتنگی کے وقت پکارپرفرشتے کہتے ہیں انجانی آوازلگتی ہے، اس لئے سفارش نہیں کرتے ہیں۔ سب سے شدت کا وقت موت کا ہےمگرموت کے وقت بشارت ملتی ہے۔

٨. " مانگوتواللہ سے، مدد چاہوتوصرف اسی کی" ہم سورۃ فاتحہ میں اسی کا عہد کرتے ہیں اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نہ مانگنے پرغصہ ہوتا ہے(احمد،ترمذی) جبکہ بندے بار بار مانگنے سے ناراض ہونے لگتے ہیں۔

اللہ کے علاوہ مانگنے پراسکا غصہ اورزیادہ ہوتاہے۔یہی مطلب ہے کہ " لا حول ولاقوۃ الّا باللّٰہ "ایک حال سے دوسرے حال میں جانا صرف اللہ کی قوت سے ممکن ہے۔

٩. " نفع کے حصول میں جوہوسکے کرواورمدد چاہومگرحوصلہ نہ ہارو" وسائل کا استعمال دین کا حصہ ہےمگرایمان ہواللہ پر،توکل کے بعد مایوسی کا سوال نہیں ہے۔

١٠. "جوطے ہوگیااب وہ بدلا نہ جائے گا" تقدیر میں سب طے ہوگیا، پھرعمل کیوں کریں؟ جواب یہ ہے کہ عمل بھی تقدیرکا حصہ ہے(جسکے لئے جومقدرہےوہ اس کیلئے آسان کردیا گیاہے)(مسلم) ۔ تقدیر میں جولکھاہے وہ توہوگامگراس پرصبرو شکرکرکےاجرضرورملے گااوہ یہی اصل آزمائش ہےاوریہی اصل عبادت ہے۔

****

حدیث نمبر ۲۰: شرم وحیاء

عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدٍ عَقْبَۃَ بْنِ عَمروٍ الْاَنْصَارِیِّ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مَمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْأُوْلٰی: اِذْا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاریؓ جو کہ بدری صحابی ہیں، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "پچھلی نبوت کی باتوں میں سے جو باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تم میں شرم ہی نہ رہے تو جو چاہو کرتے پھرو۔" (بخاری)

یہ حدیث احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، اور دیگر ائمہ نے بھی روایت کی ہے۔

شرحِ حدیث:

۱. سابقہ انبیاء کو جو باتیں وحی کی گئی تھیں، ان میں سے جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں، ان میں معتبر وہ ہے جو قرآن یا حدیث کے ذریعہ سے ہم تک آئے کہ خود انکے ذرائع مستند نہیں رہے ہیں، اور جب وہ حدیث میں آگئی تو اب اس شریعت کا حصہ بن گئی۔

۲. اس حدیث کا استعمال: (۱) یہ وعید ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ جب حیاء چھوڑ دی جائے اور پھر حرام کا ارتکاب ہو تو اسکی سزا بھی ملے گی۔ (۲) یہ خبر دینے کیلئے ہے کہ جو من مانی کرتا ہے وہ ایسا اس لئے کرتا ہے کہ اس نے حیاء کو چھوڑ دیا اور بے حیائی کی وجہ سے منکرات، فحش باتیں اور گناہ کے کام نہ صرف کر رہا ہے بلکہ شرما بھی نہیں رہا ہے۔

۳. آپؐ نے فرمایا "حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔" (بخاری، مسلم، مالک، احمد، ترمذی، وغیرہ) ایک اور حدیث میں ہے کہ "حیاء میں خیر ہی خیر ہے" (بخاری ومسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ "حیا کا سب سے بڑا حق اللہ سے حیاء کرنا ہے اور اللہ سے حیاء یہ ہے کہ سر کی حفاظت کرے اور اس میں جو موجود ہے اسکی، پیٹ کی حفاظت کرے اور جو اس میں ہے اسکی، موت کو یاد کرے اور جو جسم گل جاتا ہے اسکو، اور جس نے آخرت کو طلب کیا اس نے دنیا کی چمک دمک کو ترک کیا جو ایسا کرلے اس نے اللہ سے حیاء کا حق ادا کیا۔

۴. برائی کی صفت یہ ہے کہ انسان اسکو کر تو لیتا ہے لیکن چاہتا ہے کہ کوئی اس کو نہ جانے، نہ اسکو ایسا کرتے دیکھے مگر جب انسان اس حیاء سے گذر جائے تو پھر اسکو اسکی پرواہ نہیں ہوتی ہے، اور پھر آگے بڑھ کر وہ اس عمل کو جائز قرار دیتا ہے پھر اور آگے بڑھ وہ اسکی دعوت دیتا ہے پھر اور آگے جا کر وہ انکو ملامت کرتا ہے جو یہ کام نہیں کرتے ہیں اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جب توبہ کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور پھر معصیت پر پکڑ طے ہو جاتی ہے۔

۵. یہ حیاء اس وقت زیادہ اہم ہوتی ہے جب مسئلہ میں بظاہر واضح دلیل نہیں ہے مگر ایمان کے مزاج سے ہم آہنگ بھی نہیں ہے تو اس وقت حیاء کی یہ صفت انسان سے وہ کام نہیں کرنے دیتی ہے جو کھٹک پیدا کرتا ہو۔

****

حدیث نمبر۲۱: استقامت

عَنْ أَبِیْ عَمْرٍو ، (وَقِیْلَ أَبِیْ عَمْرَةَ) سُفْیَانِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: " قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِیْ فِیْ الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا غَیْرَكَ، قَالَ: قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔ (رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابوعمرو سفیان بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا " اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں ایک ایسی بات بتا دیجئے جسکے بعد آپؐ کے علاوہ اور کسی سے مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔" آپؐ نے فرمایا " تم کہو آمنتُ باللّٰه (میں اللہ پر ایمان لایا) پھر اس پر قائم رہو۔" (مسلم)

اس حدیث کو احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی، ابن حبان نے روایت کیا ہے

شرح حدیث:

۱. ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ " یارسول اللہ ﷺ ایسی بات بتایئے جسکو میں مضبوطی سے تھام لوں" تو آپؐ نے فرمایا " یہ کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہو" اسی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ " اے رسول اللہ ﷺ میرے لئے آپؐ کو سب سے زیادہ کس بات سے اندیشہ ہے؟ " آپؐ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے کہا " اس سے "

۲. اس حدیث میں جو بات کہی گئی ہے وہ قرآن سے ماخوذ ہے " بے شک وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر استقامت دکھاتے ہیں تو انکو نہ خوف ہے نہ غم ۔۔۔ (احقاف:۱۳) (دیکھئے فصلت:۳۰)

۳. استقامت کی پہچان کیا ہے: (۱) ایک حدیث میں ہے کہ " جسکا اسی ایمان پر خاتمہ ہو " (۲) ابوبکرؓ سے منقول ہے کہ " یہ وہ ہیں جو شرک نہ کریں

(۳) عمرؓ سے منقول ہے کہ یہ وہ ہیں جو لومڑی کی طرح راستے نہیں بدلتے ہیں۔ (۴) ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جو فرائض کی ادائیگی پر ثابت قدم رہیں

(۵) قتادہؒ سے منقول ہے کہ اللہ کی اطاعت پر جمے رہو۔

۴. نبیؐ سے کہا گیا کہ " بس آپؐ اسی بات کی طرف بلائیں اور خود بھی حکم کے مطابق جمے رہیں اور خواہشات کے پیچھے نہ چلیں۔" (شوریٰ : ۱۵) اور آپؐ سے کہا گیا آپؐ انکے ساتھ رہیں جو استقامت دکھائیں۔ " آپ جیسا کہ حکم دیا ہے اسکے مطابق استقامت دکھائیں اور جو آپ کے ساتھ توبہ کر کے آئیں (انکے ساتھ رہیں) اور سرکشی نہ کرو کہ تمہارے عمل سے اللہ خوب آگاہ ہے (ھود : ۱۱۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ " مجھ کو ھود اور اسکی بہنوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔" ایک شخص نے جواب میں آپؐ سے پوچھا کہ "

ھود کی کس آیت نے آپ کو بوڑھا کیا؟'' آپؐ نے فرمایا " فاستقم كما أمرت " کی آیت نے ۔(کہ جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر استقامت سے رہو۔)

۵. اللہ تعالیٰ نے ایک عام حکم دے کر ہماری ذمہ داری بتائی ہے '' تمہارے لئے اس دین کو شریعت کے طور پر دیا ہے جسکا ہم نے نوح کو پابند کیا اور اس بات کو ہم نے تمہارے اوپر وحی سے فرض کیا اور اسی بات کی ہم نے ہدایت کی ابراھیمؑ ،موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کہ تم دین کو قائم کرو اور آپس میں تقسیم ہو کر بٹ نہ جاؤ (شوریٰ:۱۳)

٦. اللہ تعالیٰ نے ''اقامتِ صلوٰۃ'' کا حکم دیا۔

۷. اس دین کو " دینِ قیم " کہا۔یعنی ایسا دین جس میں ٹیڑھ نہیں ہے،اور اس میں تمام نیکیوں کا حکم ہے اور تمام برائیوں سے تنبیہ ہے ۔

۸. استقامت کی روح یہ ہے کہ دل توحید پر جم جائے، پھر اللہ کی توحید کے نتیجے میں اس میں اللہ کی محبت،خوف،خشیت،توکل جیسی صفات پیدا ہوں اور پھر اعمال میں اطاعت کے ذریعے اسکا اظہار ہو۔زبان سے اسکا اظہار ہو۔

۹. قرآن میں ہے'' اپنا چہرہ قائم کرو دین کیلیئے حنیف بن کر'' (روم:۳۰) حدیث میں ہے '' بندے کا ایمان مستقیم نہ ہوگا یہاں تک کہ اسکا دل مستقیم ہو،اور دل اس وقت مستقیم ہوگا جب زبان مستقیم ہوگی ''۔

۱۰. ہم دعا مانگتے ہیں کہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا (فاتحہ) جب اللہ نے راستہ دکھایا تو اب ہم کو اس پر جمنا ہوگا تب ہی اقامت دین ہوگی۔

****

حدیث نمبر۲۲ : فرائض کی پابندی

عَنْ أَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْأَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا'' أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: أَرَأَیْتَ اِذَا صَلَّیْتُ الْمَکْتُوْبَاتِ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَلَمْ أَزِدْ عَلٰی ذٰلِکَ شَیْئًاأَدْخُلُ الْجَنَّۃَ؟ قَالَ: نَعَمْ! رَوَاہُ الْمُسْلِمُ وَمَعْنٰی حَرَّمْتُ الْحَرَامَ: اِجْتَنَبْتُہٗ وَ مَعْنٰی أَحْلَلْتُ الْحَلَالَ: فَعَلْتُہٗ مُعْتَقِدًا حِلَّہٗ۔ (رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ جابر انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا '' یہ فرمایئے اگر میں فرض نمازیں ادا کروں، رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں اور اسکے علاوہ اور کچھ نہ کروں تو کیا جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ '' آپؐ نے فرمایا '' جی ہاں ''(مسلم)

امام نوویؒ کہتے ہیں'' حرام کو حرام سمجھنے کے معنی ہیں اس سے اجتناب کرنا اور حلال کو حلال قرار دینے سے مراد ہے، اسے حلال سمجھتے ہوئے استعمال کرنا ۔''

اس حدیث کو احمد، ابویعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔

شرحِ حدیث:

۱. ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک عرابی نے کہا '' اے اللہ کے رسولؐ مجھے ایسا عمل بتایئے جسکو کر کے میں جنت میں داخل ہوسکوں۔'' آپؐ نے فرمایا '' اللہ کی عبادت کرو اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نمازوں کو قائم کرو، فرض زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو (تو تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے) ''اس نے کہا کہ''اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں ان باتوں میں نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔'' وہ شخص جب واپس ہوگیا تو آپؐ نے کہا کہ''جو جنت والے کو دیکھنا چاہتا ہے تو اسکو دیکھ لے'' (بخاری و مسلم)

۳. ایک دوسری حدیث میں طلحہ بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک پراگندہ بال اعرابی رسول اللہؐ کے پاس آیا اور کہا کہ''مجھے بتایئے کہ اللہ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا'' ۵ نمازیں فرض ہیں، باقی نفل ہیں'' اس نے کہا کہ'' اچھا بتایئے روزہ میں مجھ پر کیا فرض ہے؟'' آپؐ نے فرمایا''رمضان کے روزے تو فرض ہیں باقی نفل درجے میں ہیں'' اس نے کہا '' زکوۃ میں کتنا مجھ پر فرض ہے؟'' رسول اللہؐ نے اسکو اسلام کے شرعی احکام بتائے، اس نے کہا '' اس ذات ک قسم جس نے آپ کو حق دے کر عزت سے نوازا، میں نفل کا تو وعدہ نہیں کرتا مگر فرض میں کمی نہیں کروں گا'' رسول اللہؐ نے کہا'' یہ اگر سچا ہے تو کامیاب ہوگا'' (بخاری) مسلم کی رویت میں یہ حدیث مروی ہے مگر اس میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے، استطاعت کے ساتھ''

۴. ترمذی کی رویت میں ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کہا'' اے لوگو! اللہ سے تقویٰ اختیار کرو، ۵ نمازیں ادا کرو، مہینے (رمضان) کے روزے رکھو، مال کی زکوۃ دو، تمہارے معاملات کے ذمہ دار کا کہا مانو، تم تمہارے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے '' (ترمذی، حسن صحیح)

۵. ان احادیث میں محرمات کا ذکر نہیں آیا ہے کیونکہ سوال یہ تھا کہ وہ اعمال بتایئے جو جنت میں جانے کیلیئے ضروری ہیں۔

۶. ایک صحابی سے بیعت کرتے ہوئے آپؐ نے ان باتوں کے ساتھ جہاد کا بھی ذکر کیا تو ان صاحب نے عرض کیا'' اے اللہ کے رسولؐ سب تو ٹھیک ہیں مگر صدقہ اور جہاد کی مجھ میں سکت نہیں ہے؟'' آپؐ نے کہا'' پھر میں بیعت نہیں کروں گا '' (طبرانی، احمد)

۷. کبیرہ گناہوں کے سبب سے جنت میں داخلے سے محرومی ہوسکتی ہے۔ جیسے ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ'' سات کبیرہ گناہوں سے بھی بچے تو اس کیلیئے جنت کے تمام دروازے کھلے ہوں گے وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی'' اگر تم ممنوعات میں سے کبیرہ سے بچ جاؤ گے تو ہم تمہارے گناہوں کا کفارہ بنا دینگے اور تم کو بہترین داخلہ سے نوازیں گے'' (نساء:۳۱) (نسائی، حاکم وغیرہ)

۸. توحید کی اہمیت اس قدر ہے کہ اسکے ساتھ عملی کوتاہی سے سزا ہوسکتی ہے مگر جنت ضرور ملے گی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ'' کوئی بھی شخص جو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرے اور اسی پر اسکا خاتمہ ہو تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔'' تو ابوذرؓ نے کہا کہ'' چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے؟ '' آپؐ نے فرمایا '' ہاں! چاہے وہ ایسا کرے'' میں نے تین بار یہ بات کہی ہر بار آپؐ نے یہی جواب دیا پھر کہا ابوذرؓ کی مرضی کے خلاف۔۔ (بخاری، مسلم، احمد وغیرہ)

****

حدیث نمبر۲۳: نیکیوں کے انبار

عَنْ أَبِیْ مَالِکِ الْحَارِثِ بْنِ عَاصِمٍ الْأَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ” الطُّھُوْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ تَمْلَآنِ اَوْ تَمْلَأُمَابَیْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ، وَالصَّلٰوۃُ نُوْر وَالصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ وَالصَّبْرِ ضِیْاءُ وَال۔قُرْآن حُجَّۃٌ لَّکَ أَوْ عَلَیْکَ کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَہٗ فَمُعْتِقُھَا أَوْ مُوْبِقُھَا۔ “

(رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مالک حارث بن عاصم اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ” طہارت نصف ایمان ہے، الحمداللہ میزان کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور الحمداللہ آسمان اور زمین کے درمیانی حصے کو بھر دیتے ہیں“ یا یہ فرمایا کہ” ان میں سے ہر ایک کلمہ آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔ نماز نور ہے، صدقہ برہان ودلیل ہے، صبر روشنی ہے اور قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہے۔ انسان کی صبح اس حالت میں ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے آزاد کرالیتا ہے یا اسے ہلاک کر دیتا ہے۔“

(مسلم)

اس حدیث کو احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

شرحِ حدیث:

۱. ترمذی کی ایک روایت میں ” طہور “ کی جگہ ” وضو “ کا لفظ آیا ہے۔

۲. ایمان نام ہے کرنے کا (عمل) اور بچنے کا، تو کرنے میں مامورات آ گئے جو دین کا نصف ہو گئے اور بچنے میں حرام کام آ گئے جو دوسرا نصف ہے۔ اب طہارت اس لحاظ سے نصف ایمان ہوئی کہ وہ منہیات سے، گندگی سے، گناہوں سے بچنے اور نفس کو ان سے پاک کرنے کا نام ہے۔

۳. طہور کی کئی تشریح آئی ہیں (۱) اس سے وضو مراد ہے (۲) طہارت لینا مراد ہے (۳) جنابت میں غسل کرنا مراد ہے

۴. طہارت اسلام میں بہت وسیع معنی رکھتا ہے اور اس کیلئے کئی الفاظ ہیں اس میں دل کی طہارت ہے، کفر، شرک، نفاق سے (تزکیہ)، جسم کی طہارت ہے، نجاست سے، گناہوں سے، مال کی طہارت ہے حرام سے، زکوۃ دے کر، غذا کی طہارت ہے حلال رزق سے، مذبوح جانور سے، (تذکیہ) عبادت کی طہارت ہے، غسل سے، وضو سے، تیمّم سے، جگہ کی طہارت ہے، لباس کی طہارت ہے، پھر آنکھ، کان، زبان کی طہارت ہے بری بات سے، اسی لئے حدیث میں ہے کہ” وضو پر وہی قائم رہے گا جو مومن ہے“ (احمد، ابن ماجہ، حاکم، صحیح)

۵. الحمدللہ وہ ہے جس سے ترازو بھر جاتی ہے، یعنی انسان کے اچھے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا اور اس میں کمی ہوگی تو اس نے جو الحمدللہ کے لفظ زبان سے ادا کئے ہوں گے وہ اسکی ترازو کو جھکا دیں گے۔

۶. سبحان اللہ اور الحمد للہ آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں۔ اسی بات کو دوسری صحیح حدیث میں اس طرح سے کہا گیا ہے'' دو کلمے ہیں جو رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، میزان میں بہت بھاری ہیں، زبان پر زیادہ مشکل بھی نہیں ہیں '' سبحان اللّٰہِ وَبِحمدہِ سبحان اللّٰہِ العظیم '' (احمد، بخاری مسلم، ترمذی وغیرہ) تسبیح کا مقام اس لحاظ سے ہے کہ اس میں اللہ کی پاکی ہے کسی بھی کمی سے، عیب سے، اسکے ساتھ حمد کا مقام ہے کہ ایسے اسکی صفات کا اعتراف اور تعریف ہے۔

۷. اللہ کے پسندیدہ کلمات چار ہیں (۱) سبحان اللّٰہ (۲) الحمدللّٰہ (۳) اللّٰہ اکبر (۴) لا الٰہ الاّ اللّٰہ ۔ اب اس میں مختلف اقوال ہیں کہ کون سا افضل ہے

۸. نماز نور ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر روشنی ہے، ان تینوں میں نور کا وصف مشترک ہے کچھ فرق کے ساتھ۔ نماز کا نور مکمل ہے اسکا اپنا ہے، اور مومن کیلئے نور ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ'' جس نے نماز کی پابندی کی اس کیلئے وہ نور ہے، برھان ہے، اور قیامت کے دن سبب نجات ہے، اور جو اسکو پابندی کے ساتھ ادا نہ کرے گا اس کیلئے نہ نور ہے، نہ برھان، نہ نجات۔

(احمد، ابن حبان)

9. صدقہ برھان ہے، برھان ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو روشن ہو، واضح ہو، اور حق کو بتاتی ہو۔ صدقہ: صدق یعنی سچائی سے نکلا ہے جسکا مطلب ہے کہ جو مال اللہ کیلئے دیا جاتا ہے وہ دلیل ہے ایمان کے صحیح ہونے کی اور اس شخص کے مومن ہونے کی۔

۱۰. صبر ضوء ہے، ضیاء ہے، ضیاء ایسی روشنی کو کہتے ہیں جس میں گرمی بھی ہو، جیسے سورج کی روشنی جبکہ نور میں گرمی ضروری نہیں۔ قرآن کو نور کہا گیا ہے (المائدہ: ۱۵ ، اعراف: ۱۵۷)

۱۱. صبر نفس کو مارتا ہے، خواہشات سے روکتا ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب صبر کی روشنی میں آکر انسان ان باتوں کو برا سمجھتا ہے۔

۱۲. صبر کی کئی قسمیں ہیں (۱) اللہ کی اطاعت میں صبر دکھانا (۲) اللہ کی نافرمانی سے بچ کر صبر دکھانا (۳) تقدیر پر صبر دکھانا (۴) مصیبت کے موقع پر صبر کرنا۔ ان تمام قسموں میں جب بندہ صبر کرتا ہے تو ایمان کی روشنی میں کرتا ہے اور یہ صبر اسکے ایمان کو روشن کرتا ہے۔

۱۳. <u>قرآن حق میں جاتا ہے یا خلاف:</u>

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ'' ہم قرآن میں وہ اتارتے ہیں جو مؤمنین کیلئے رحمت و شفا ہے اور ظالموں کیلئے اس سے خسارہ ہی زیادہ ہوگا''

(اسراء : ۸۲)

ایک روایت میں ہے کہ'' قیامت کے دن قرآن ایک شخص کی صورت میں آئے گا اور اسکو ایک شخص کے سامنے لایا جائے گا جس نے اسکو یاد کیا ہوگا، مگر اسکے احکام کی خلاف ورزی کی ہوگی تو وہ قرآن اسکے خلاف مدعی ہوگا اور کہے گا، اے رب! یہ بہت ہی برا نگہبان تھا، میرے حدود اس نے توڑے تھے، فرائض کو ضائع کیا تھا، میری نافرمانی میں لگا رہتا تھا، میری اطاعت سے دور رہتا تھا، وہ اپنی بات کہے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے، یہ تمہارے حوالے ہے۔ وہ اسکو لے کر جہنم میں جا کر جھونک دے گا۔

دوسرا شخص اسکے سامنے لایا جائے گا جو اسکا اچھا محافظ تھا، اسکے احکام پر کاربند تھا، اس شخص کیلئے جب قرآن مدعی بنے گا تو وہ کہے گا، اے رب ! یہ میرا بہترین نگہبان تھا، بہترین محافظ تھا، میرے حدود کا پابند تھا، میرے فرائض کو بجالاتا تھا میری نافرمانی سے بچتا تھا اور میری اطاعت میں لگا رہتا تھا، وہ اپنی بات کہے جائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا ٹھیک ہے یہ اب تمہارے حوالے۔ وہ اسکو لے کر چلے گا پھر اسکو نور کا لباس پہنائے گا اور بادشاہت کا تاج پہنائے گا اور اسکو شراب کا پیالہ دے گا۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ، خطیب بغدادی)

۱۴. ابن مسعودؓ کہتے ہیں '' قرآن شفاعت کرے گا اور اسکی شفاعت قبول ہوگی اور وہ بحث میں جیت جانے والا اور صداقت منوانے والا ہے جس نے اسکو اپنے آگے رکھا تو وہ اسکو جنت کی طرف لے جائے گا، اور جس نے اسکو پیٹھ کے پیچھے کیا تو وہ اسکو جہنم کی راہ دکھائے گا ''

(طبرانی، بیہقی، ابن حبان)

۱۵. عمرؓ نے کہا کہ '' اللہ اس قرآن کے ذریعہ کچھ لوگوں کو بلند کرے گا (اسکی پیروی کر کے) کچھ کو پست کرے گا (اسکو نہ مان کر)۔ ہر شخص کا ہر دن اس طرح سے گزرتا ہے کہ یا تو وہ آزاد ہو گیا یا ہلاکت میں پڑا ''

۱۶. قرآن میں اللہ اور انسان کا معاملہ بیع وشراء کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ نے انسان سے اسکی جان و مال کو خرید لیا ہے اور بدلہ میں جنت کا وعدہ ہے، اب وعدہ کا مستحق وہ ہے جس نے معاھدہ کو پورا کیا ورنہ وہ گھاٹے میں رہا۔

(دیکھئے: توبہ : ۱۱۱ ، بقرہ : ۲۰۷ ، زمر : ۱۵)

محمد بن حنفیہؒ کہتے ہیں اللہ نے تمہاری جانوں کا بدلہ جنت کو بنایا ہے اب تم اسکو کسی اور شے سے نہ بدلو۔ ایک شخص نے کہا کہ دنیا میں آخرت کی غلامی سے چھٹکارا لے لو کیونکہ آخرت کا قیدی کسی اور طرح سے آزاد نہ ہو سکے گا۔

۱۷. انسان کا ہر دن جدوجہد، دین کی کوشش، نجات کیلئے کوشش کا نام ہے اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحہ تک جاری ہے

'' موت کے لمحے تک اسلام باقی رہنا چاہیئے '' (آلِ عمران : ۱۰۲)

''عبادتِ رب میں لگے رہو یقین (موت) کے آنے تک '' (حجر : ۹۹)

****

حدیث نمبر ۲۴ : توحید

عَنْ أَبِیْ ذَرِّ الْغِفَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْہِ عَنْ رَبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ أَنَّہٗ قَالَ: ”یَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا ، یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُہٗ فَاسْتَهْدُوْنِی أَهْدِکُمْ ، یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُہٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ أُطْعِمْکُمْ ، یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ أَکْسُکُمْ ، یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ ، یَا عِبَادِیْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَ آخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی أَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا زَادَ ذَالِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا ، یَا عِبَادِیْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْکُمْ مَانَقَص ذَالِکَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا ، یَاعِبَادِیْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَ آخِرَکُمْ وَ اِنْسِکُمْ وَ جِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُوْنِیْ فَأَعْطَیْتُ کُلَّ وَاحِدٍ مَسْأَلَتَہٗ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَایَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ ، یَا عِبَادِیْ اِنَّمَا هِیَ أَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا لَکُمْ ثُمَّ أُوَفِّیْکُمْ اِیَّاهَا ، فَمَنْ وَجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِاللّٰہَ وَمَنْ وَجَدَغَیْرَ ذٰلِکَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ ۔“ (رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل سے روایت کرتے ہوئے فرمایا' اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں : ” اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر بھی ظلم حرام کیا ہے اورتمہارے درمیان بھی ایک دوسرے پرظلم کرنا حرام کردیا ہے ،لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔اے میرے بندو! تم سب بھولے بھٹکے ہوئے ہوسوائے اسکے جسے میں ہدایت دوں لہٰذا مجھ سے ہی ہدایت طلب کرو' میں تمہیں ہدایت دوں گا۔میرے بندو! تم سب بھوکے ہوسوائے اسکے جسکو میں کھلاؤں لہٰذا مجھ سے کھانا مانگو' مجھ سے پہننے کیلئے مانگو' میں تم کو پہناؤں گا۔میرے بندو! بلاشبہ تم رات دن غلطیاں کرتے ہواور میں تمام گناہ معاف کرتا رہتا ہوں لہٰذا مجھ سے گناہوں کی معافی مانگو' میں تم کو بخش دوں گا۔میرے بندو! تم ہرگز ہرگز اس لائق نہیں کہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو اور نہ اس لائق ہو کہ مجھے کوئی نفع پہنچا سکو۔اے میرے بندو! بلاشبہ اگر سارے اولین وآخرین انسان وجن دنیا کے سب سے متقی شخص کی خصلت پر ہوجائیں تو بھی میری بادشاہت میں زیادتی نہیں ہوگی ۔میرے بندو! بلاشبہ اگر سارے اولین وآخرین انسان وجنات دنیا کے سب سے زیادہ فاجر شخص کی خصلت پر ہوجائیں تو بھی میرے ملک میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اگر سارے کے سارے انسان وجنات ایک میدان میں کھڑے ہوکر مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان کو اس خواہش کے بقدر دے دوں تو بھی میرے خزانے میں سے اس قدر جائے گا جیسے ایک سوئی کو سمندر میں ڈبو کر باہر نکال لیا جائے۔ میرے بندو! (آخرت میں) تمہارے اعمال ہی ہوں گے جنکو میں نے محفوظ کر رکھا ہے' میں انکا پورا پورا اجر دوں گا جو

اپنے عمل کا اچھا بدلا پائے' اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو اپنے عمل کا اسکے علاوہ دوسرا بدلہ پائے' (یعنی برا نتیجہ دیکھے) تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ '' (مسلم)
اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، عبدالرزاق وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرحِ حدیث:

۱. یہ حدیث قدسی ہے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ کے یہاں روایت کے الفاظ میں فرق ہے۔
۲. امام احمد کہتے تھے کہ اہل شام کی سند سے جو احادیث مروی ہیں یہ ان میں سب سے بڑھ کر ہے۔ (اہل شام کی سند کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ارے راوی شام کے ہیں)
۳. قرآن میں ہے '' میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (ق:۲۹ اور دیکھئے: غافر:۳۱ ،آلِ عمران:۱۰۸ ،فصلت:۴۶ ، نساء:۴۰ ، یونس:۴۴، طہ : ۱۱۲)
۴. ظلم یہ ہے کہ وہ دوسرے کے گناہ پر کسی اور کو سزا دے یا بے سبب سزا دے، اور یہ صرف اسکا کرم و احسان ہے نہ کہ بے بسی حالانکہ وہ اگر نہ بھی دے تو یہ اسکا حق ہے اور کوئی نہ اسکو روک سکتا ہے نہ اس پر اعتراض کا حق رکھتا ہے۔
ابی بن کعب، ابن مسعود، زید بن ثابت سے ملتی جلتی عبادت منقول ہے کہ '' اگر اللہ تعالیٰ سب کو عذاب دے تو بھی یہ ظلم میں شمار نہ ہوگا اور اگر سب پر رحم کرے تب بھی یہ اسکا رحم ہوگا نہ کہ اعمال کی وجہ سے استحقاق۔ ''
۵. ظلم دو قسم کا ہے (۱) اپنے آپ پر ظلم اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے '' شرک سب سے بڑا ظلم ہے '' (لقمان : ۱۳) اور درجہ بدرجہ گناہ کرنا ظلم ہے
(۲) دوسروں پر ظلم اور یہاں اسکی حرمت بتائی گئی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا تھا '' تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزت، تم ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں کہ انکی حرمت اس مہینے کے اس دن اور اس شہر (مکہ) کی طرح ہے ''
(بخاری، مسلم، ابن حبان)

ایک اور حدیث کا ایک ٹکڑا ہے کہ '' ظلم قیامت کے دن تاریکی کا باعث ہوگا '' (بخاری، مسلم)
ایک اور حدیث میں ہے کہ '' جس کسی نے اپنے بھائی کے ساتھ زیادتی کی ہو وہ اسکو آج (دنیا میں) ختم کر لے (معاف کر کے یا بدلہ دے کر) ورنہ (ایک اور دنیا ہوگی) جہاں نہ دینار چلے گا نہ درھم، وہاں تو پہلے بدلے میں نیکیاں لے کر اس شخص کو دے دی جائیں گی یا جب نیکیاں نہ بچیں گی تو اسکے گناہ اسکے اعمال نامے میں ڈال دیئے جائیں گے۔ '' (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی)
۶. تمام مخلوق محتاج ہے کہ اللہ اگر چاہے گا تو فائدہ کی بات ہوگی اور وہ فائدہ اٹھا سکے گا اور اسکی مدد سے ہی نقصان سے بچ سکے گا یا نقصان جھیل

سکے گا، یہ دنیا کے تعلق سے بھی ہے اور آخرت کے تعلق سے بھی۔ کیونکہ بندے کے اپنے قبضہ قدرت میں کچھ نہیں ہے۔

قرآن میں ہے کہ" جسکو اللہ ہدایت دے دے بس وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسکو بے راہ رکھے پھر اسکو نہ ولی وسرپرست ملے گا نہ راستہ بتانے والا" (کہف : ۱۷)

۷. اس حدیث سے بات معلوم ہوگئی کہ اللہ پسند کرتا ہے کہ بندہ اس سے ہر چیز مانگے وہ دنیاوی فائدے کی چیز ہو یا آخرت کی، کھانا، پانی، لباس بھی اسی سے مانگے جیسے ہدایت اور مغفرت۔ حدیث میں ہے کہ" چاہے کہ اپنے رب سے ہر بات مانگے چاہے ایک جوتے کے ٹوٹے تسمے کا ہی سوال ہو۔" (ترمذی)

۸. اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو نہ مانگنے پر ناراض ہوتی ہے جبکہ بندے بار بار مانگنے سے گھبرا اٹھتے ہیں۔

۹. "ہر شخص بے راہ ہے اور گمراہ ہے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شیطان نے انکو گمراہ کیا ورنہ فطرتاً تو وہ مسلمان تھے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ انسانی فطرت میں قبول اسلام کا داعیہ ہے مگر اسکی تعلیم، اسکی خبر، اسکی دعوت ضروری ہے۔ آپؐ کیلئے کہا گیا ہے کہ" آپؐ کو بے راہ پایا تو راستہ دکھایا" (ضحیٰ: ۷) اسکی تشریح دوسری آیت میں آجاتی ہے کہ" ہم نے آپؐ کی طرف ہمارے حکم کی روح کی وحی کی، آپؐ تو جانتے نہ تھے کہ کتاب کیا ہے، ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اسکو آپؐ کیلئے نور بنایا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے راہ دکھا دیتے ہیں" (شوریٰ : ۵۲)

اس بات کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ" ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اسکے والدین اسکو یہودی، عیسائی، مجوسی بنا دیتے ہیں۔

(احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن حبان)

۱۰. مومن اللہ سے دو طرح کی ہدایت کا طلبگار رہتا ہے (۱) مجمل ہدایت : جو ایمان اور اسلام کے ماننے کیلئے چاہئے، یہ حصہ ہر مومن کو حاصل ہے (۲) تفصیلی ہدایت: جسکی ضرورت ایمان و اسلام کی تفصیلات جاننے کیلئے ضروری ہے اور اسکی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔

۱۱. استغفار: مغفرت کی طلب، گناہوں سے پردہ پوشی کرکے اور توبہ قبول کرکے۔

آپؐ نے فرمایا" میں اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ ایک دن میں ۷۰ بار تک بلکہ اس سے زیادہ بھی" (بخاری)

۱۲. "نفع ونقصان اللہ کو نہیں پہنچتا ہے" کہ اللہ بے نیاز ہے اور اپنے آپ میں حمید ہے، جو ہمارے اعمال ہیں یا گناہ اسکا فائدہ ونقصان ہم کو ہوتا ہے نہ کہ اللہ کو۔ "اللہ کو جانور کا نہ گوشت پہنچتا ہے نہ اسکا خون، ہاں اسکے پیچھے جو تقوی ہے وہ اسکو پہنچتا ہے" (حج: ۳۷)

"اور جو کفر کرتے ہیں تو اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے" (آلِ عمران: ۹۶)

۱۳. اسکے ساتھ اللہ بہت خوش ہوتا ہے اگر بندہ اسکی اطاعت کرے۔ اس سے توبہ کرے۔ جبکہ اسکے گناہ سے ناراض ہوتا ہے۔

" ایک بندے نے گناہ کیا تو اس نے اللہ سے کہا کہ اے رب! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے اور میں آپ سے مغفرت کا طلبگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کو علم ہے کہ اسکا ایک رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرسکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو

معاف کر دیا۔ ‘‘ (بخاری، مسلم)

۱۴. اللہ کی ملکیت کا یہ عالم ہے کہ اس میں سے بندے سب کچھ حسب خواہش نکال لیں تب بھی اس میں کمی نہ ہوگی۔ اور کسی نیکی سے اضافہ ہوگا نہ گناہ سے کمی اور اور سب کو انکا وہ سب دے دیا جائے جو مانگیں تب بھی اللہ کی حکومت میں کمی نہ ہوگی۔ ’’ اللہ کے پاس جو ہے باقی رہنے والا ہے اور جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا۔‘‘ (نحل:۹۶)

۱۵. اللہ تعالیٰ سے جب مانگا جائے تو حوصلے کے ساتھ مانگا جائے اور یقین کے ساتھ مانگا جائے۔

۱۶. اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں مگر حسب ضرورت وہ استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ ’’ اللہ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ہم اس میں سے ایک معلوم مقدار کے مطابق اتارتے ہیں‘‘ (حجر:۲۱)

۱۷. حرص وطمع غلط ہے مگر خواہش کے مطابق مانگنا اچھا ہے اور خواہش میں اللہ کی رضا، ثواب ضرور پہلے شامل ہوں۔ اس لئے دنیاوی زندگی میں قناعت کو پسند کیا گیا ہے اور خیر کے سلسلے میں مسابقت (سبقت) کو اور لامحدود مطالبات کو پسند کیا گیا ہے۔

۱۸. جو بھی بدلہ ہوگا وہ عمل کی بنا پر ہوگا۔ اچھے عمل کا بدلہ اچھا، برے عمل کا بدلہ برا۔ اچھائی کا بدلہ کئی گنا، برائی کا ایک گنا۔ خواہش سے نتیجہ نہ نکلے گا۔

۱۹. یقیناً ہر شخص اللہ کی رحمت سے نجات اور انعام کا مستحق ہوگا مگر رحمت کیلئے بہانہ بھی ضروری ہے اور وہ ہے ایمان اور عملِ صالح۔

****

حدیث نمبر ۲۵: اجروثواب کی راہیں

عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ أیضًا : ’’أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالُوْا لِلنَّبِیِّ ﷺ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ذَھَبَ أَھْلُ الدُّثُوْرِ بِالْأُجُوْرِ ، یُصَلُّوْنَ کَمَا نُصَلِّیْ وَیَصُوْمُوْنَ کَمَا نَصُوْمُ وَیَتَصَدَّقُوْنَ بِفُضُوْلِ أَمْوَالِھِمْ قَالَ : أَوَلَیْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مَا تَصَدَّقُونَ اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃً ، وَ کُلِّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃً، وَکُلِّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃً ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃً ، وَنَھْیٌ عَنْ مُنْکَرٍ صَدَقَۃٌ وَفِیْ بُضْعِ أَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ ، قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَیَأْتِیْ أَحَدُنَا شَھْوَتَہٗ وَیَکُوْنُ لَہٗ فِیْھَا أَجْرٌ ؟ قَالَ أَرَأَیْتُمْ لَوْ وَضَعَھَا فِیْ حَرَامٍ أَکَانَ عَلَیْہِ وِزْرٌ ؟ فَکَذٰلِکَ اِذَا وَضَعَھَا فِیْ الْحَلَالِ کَانَ لَہٗ أَجْرٌ۔‘‘ (رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر سے روایت کی ہے، آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے چند نے آپؐ سے عرض کیا’’ یارسول اللہ ﷺ! اہل ثروت ودولت تو خوب اجر لے گئے جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں، وہ بھی روزہ رکھتے ہیں۔ نیز وہ ضرورت سے زیادہ مال سے صدقہ بھی کرتے ہیں۔‘‘ آپؐ نے ارشادفرمایا کہ’’ اللہ نے تم کوصدقہ کرنے کی استطاعت نہیں دی ہے۔ بلاشبہ ہر اللّٰہ اکبر صدقہ ہےاور ہر الحمدللّٰہ صدقہ ہےاور ہر سبحان اللّٰہ صدقہ ہے، ہر لا الٰہ الا اللّٰہ صدقہ ہےاور نیکی کاحکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے، تمہاری شرمگاہ کے استعمال کرنے میں بھی صدقہ ہے۔‘‘ صحابہ نے عرض کیا’’ یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی شخص اپنی نفسانی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اسے اس میں بھی اجر ملے گا؟‘‘ آپؐ نے فرمایا’’ یہ بتاؤ اگر وہ اپنی شرمگاہ حرام جگہ استعمال کرتا ہے تو وہ گناہ کا مرتکب نہ مانا جاتا، اسی طرح وہ اسے حلال جگہ استعمال کرے گا تو اسے اجروثواب ملے گا۔‘‘ (مسلم)

یہ حدیث احمد، ابوداؤد، ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔ موطا میں مالکؒ نے بخاری ومسلم اور ابوداؤد نے ابوہریرۃ سے بھی روایت کیا ہے

شرح حدیث:

بخاری ومسلم کی روایت کے الفاظ میں ہے کہ’’ مہاجرین میں سے ضرورت منداور مال ودولت کم رکھنے والے صحابہ نے آپؐ سے عرض کیا تھا اور کہا تھا کہ’’ اہل ثروت تو جنت کے اعلیٰ درجات کی اپنی دولت کی وجہ سے مستحق ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ نماز تو پڑھتے ہی ہیں مگر ساتھ ساتھ صدقہ بھی دیتے ہیں جبکہ ہم اس میدان میں ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ دولت ہے تو وہ غلام بھی آزاد کرتے ہیں اور ہم کر ہی نہیں سکتے۔‘‘ رسولؐ نے ان سے کہا’’ آؤ میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں جسکو کرلو گے تو تم ان سے آگے بڑھ جاؤ گے اور تم سے بعد میں آنے والے بھی تم سے پیچھے رہیں گے۔ اور تم میں افضل وہی ہوگا جو وہ کرے گا جو تم کروگے‘‘ انہوں نے عرض کیا’’ضرور اے اللہ کے رسول ﷺ!‘‘ آپؐ نے فرمایا’’۳۳،۳۳بار سبحان اللّٰہ ، الحمدللّٰہ اور اللّٰہ اکبر کہہ لیا کرو۔‘‘

ابوصالح کہتے ہیں کہ فقرائے مہاجرین ایک بار پھر رسولؐ کے پاس آئے اور کہا کہ’’ ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی یہ بات سن لی اور وہ بھی

وہی کر رہے ہیں جو ہم کر رہے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" یہ تو اللہ کا وہ فضل ہے جو جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔"

(المائدہ:۵۴، جمعہ:۴)

۱. فقراء صحابہ نے یہ سمجھا کہ صرف مال دار ہی صدقہ کر سکتے ہیں یہ نیکی کمانے کیلئے مال کا ہونا ضروری ہے۔اس بات کو آپؐ نے واضح کر دیا کہ "ہر نیکی کا کام صدقہ ہے" ہر طرح کا حسن سلوک، ہر طرح کا احسان نیکی ہے۔

ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا" اگر کوئی شخص رات کی نماز (تہجد) کی پابندی کرتا ہے لیکن کسی دن نیند کے غلبہ سے نہ اٹھ سکا تو اللہ اسکو نماز کا اجر بھی دے گا اور اسکی نیند اللہ کی طرف سے اس کیلئے صدقہ ہوگی۔" (نسائی)

۲. " تھوڑی سی نیکی، ایک بھلا سا جملہ اس صدقہ سے بہتر ہے جسکے ساتھ اذیت کا ایک جملہ لگا دیا جائے یا جسکا احسان جتایا جائے"

(بقرۃ:۲۶۳)

۳. نیکی میں یہ بھی ہے کہ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملیں، یہ بھی نیکی ہے کہ خیر میں تعاون کریں اور یہ بھی نیکی ہے کہ شر سے محفوظ رکھیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ابوذرؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا" اعمال میں سے بڑھ کر کونسا عمل ہے؟" آپؐ نے فرمایا" ایمان اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو" ابوذرؓ نے پوچھا" غلام کا آزاد کرنا نیکی ہے، کونسا غلام آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟" آپؐ نے فرمایا" جو قیمت میں سب سے زیادہ ہو اور زیادہ محبوب ہو۔" ابوذرؓ نے کہا" اچھا اگر میں یہ نہ کرسکوں؟" تو آپؐ نے فرمایا" ایک کاریگر کو اسکے کام میں مدد دے دو یا جو کچھ کرنا نہ جانتا ہو اسکی مدد کر دو تو یہ بھی نیکی ہے" ابوذرؓ نے کہا کہ "اے اللہ کے رسولؐ! اگر میں ان بتائے ہوئے کاموں میں کمزوری دکھاؤں تو پھر کیا کروں؟" آپؐ نے فرمایا کہ "لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ کر دو یہ بھی صدقہ ہے۔" (احمد، بخاری، مسلم ابن حبان)

۴. "شوہر کا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔" (بخاری و مسلم) ایک اور حدیث میں ہے کہ" بہترین دینار وہ ہے جو انسان نے اپنے گھر والوں پر خرچ کرے، اور وہ دینار ہے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی تیاری پر خرچ کرے، اور وہ دینار ہے جو انسان اپنے ساتھیوں پر اللہ کی خاطر خرچ کرے (مسلم، احمد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ" آپؐ نے ایک بار صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ایک شخص نے کہا میرے پاس ایک دینار ہے آپؐ نے کہا کہ تم اسکو اپنے اوپر خرچ کرو" اس نے کہا" میرے پاس ایک اور دینار ہے" تو آپؐ نے کہا "اسکو اپنی بیوی پر صدقہ کر دو" اس نے کہا" میرے پاس ایک اور دینار ہے "آپؐ نے کہا" اسکو اپنے بچوں پر خرچ کر کے صدقہ کماؤ"۔ اس نے کہا" میرے پاس ایک اور دینار ہے" آپؐ نے کہا "اسکو اپنے خادم پر صدقہ کرو" اس نے کہا" میرے پاس ایک اور دینار ہے" آپؐ نے کہا" اب تم خود جو مناسب سمجھو کرو"

(احمد، ابن حبان)

۵. جانوروں کی دیکھ بھال، پرندوں کی دیکھ بھال، ماحولیات کے ٹھیک رکھنے کے کام بھی صدقہ شمار ہوں گے (اخلاص کے ساتھ)۔

آپؐ نے فرمایا" جب کوئی مسلم ایک درخت لگاتا ہے اور کوئی اس سے کھالیتا ہے تو یہ صدقہ ہے۔ کچھ چرا لیا جاتا ہے تو صدقہ ہے۔ اور جو

درندے، جانور اس سے کھالیں تو وہ اس کیلئے صدقہ ہے۔ جو پرندے اس میں سے کھالیں تو صدقہ ہے اور اسکے پھل میں (محنت میں) جو کمی ہوگی وہ بھی صدقہ ہے۔''

٦. انسان کا اپنی ضرورت کو جائز طور پر پورا کرنا بھی باعث اجر ہے کہ اس نے ایک تو گناہ سے دوری اختیار کی دوسرے اللہ کے حکم کے تحت آ کر خواہش نفس کو جنسی ضرورت کو پورا کیا کہ اسلام میں عادت عبادت ہوگی جبکہ اسکو اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے۔

****

حدیث نمبر ۲۶: صدقہ کا جامع تصور

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ، تَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَتُعِیْنُ الرَّجُلَ فِیْ دَابَّةِ فَتَحْمِلُهُ عَلَیْهَا أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَیْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَبِكُلِّ خَطْوَةٍ تَمْشِیْهَا اِلَی الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَ تَمِیْطُ الْأَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔" (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے، یہ ہر روز ہے جس میں سورج طلوع ہوتا ہے۔تم دو انسانوں میں انصاف (صلح کراؤ) کرو، یہ صدقہ ہے تم کسی آدمی کو اسکی سواری پر بٹھانے میں مدد کرو یا اسکا سامان اس پر اٹھا کر رکھ دو، یہ صدقہ ہے۔بھلی بات کہنا بھی صدقہ ہے، ہر وہ قدم جو نماز کیلئے اٹھاؤ، صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔"

(بخاری و مسلم)

یہ حدیث ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔

شرح حدیث:

۱. مسلم نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ" ابن آدم کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہوتے ہیں۔اللہ کا ذکر، اسکی تحمید، تہلیل، تسبیح یہ صدقہ ہیں۔ مسلمانوں کی گذر گاہ سے ایک پتھر کو ہٹانا صدقہ ہے۔کانٹے دار کو ہٹانا صدقہ ہے، ایک ہڈی کو ہٹانا صدقہ ہے۔ایک معروف کا حکم دینا، ایک منکر سے روکنا یہ صدقہ ہے اور یہ سب ۳۶۰ جوڑوں کی طرف سے صدقہ ہو جاتے ہیں اور پھر انسان آگ سے آزاد کر دیا جاتا ہے"

(مسلم، ابن حبان)

اس معنی کی کئی احادیث ہیں اور ایک حدیث ہے کہ" ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ دینا مطلوب ہے اور ہر دن کیلئے ضروری ہے اگر دو رکعت چاشت کی پڑھ لی جائیں تو سارے جوڑوں کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔" (طبرانی)

۲. انسان کو جو بھی نعمت میسر ہے اسکا حق بھی ادا کرنا ہے۔کیونکہ" نعمتوں کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا" (تکاثر:۸)

۳. ایک حدیث میں ہے کہ" دو نعمتیں ایسی ہیں جنکے معاملے میں زیادہ تر لوگ خسارے میں رہتے ہیں وہ ہیں صحت اور فراغت"

(بخاری)

جب تک بدن میں جان رہتی ہے، جب تک خیال نہیں آتا ہے کہ صحت نہ رہی تو کیسے واپس ملے گی؟ اسکا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ علاج کیا جائے، ایک ہے صحت کا صحیح استعمال، اسی کے ساتھ ایک اور طریقہ ہے اسکا صدقہ ادا کرنا تا کہ اسکا شکر ادا ہو سکے اور گناہوں سے کفارہ ہو جائے۔

۴. ''اللہ کی نعمتوں کو شمار کرتے رہ جاؤ گے انکو گن بھی نہ سکو گے ''(ابراھیم:۳۴)اس لحاظ سے یہ نعمتوں کا صرف ایک حصہ ہے جب اسکا حق یہ ہے تو پھر ہزاروں لاکھوں نعمتوں کا حق کیسے ادا ہو گا۔

۵. مگر یہ اللہ کا احسان ہے کہ توبہ، استغفار اور عام سی نیکیوں کو بدل شمار کر لیا، اور ایسا عمل بھی بتا دیا جو سب سے جامع ہے۔موسیٰ نے عرض کیا کہ'' اے رب آپ کا شکر کیسے ادا ہو کہ آپ کی ایک ادنیٰ ترین نعمت کا بدلہ دینا ہو تو میرے سارے اعمال بھی بدلہ نہ بن سکیں گے۔اس پر وحی آئی کہ اے موسیٰ اب تم نے وہ بات کہی جو شکر کہلائے گی'' (احمد،ابونعیم،ابن ابی الدینا)

۶. شکر نام ہے اعتراف نعمت کا اور اس احساس کا کہ اسکا بدلہ دیا جائے۔

۷. شکر کے دو درجے ہیں: (۱) واجب درجے کا شکر۔وجبات ادا کر کے اور محرمات سے اجتناب کر کے۔سلف میں سے ایک کہتے ہیں کہ معاصی کا چھوڑنا شکر رب ہے۔دوسرے عالم نے کہا ہے کہ اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں انکو معصیت میں استعمال نہ کیا جائے۔ایک اور عالم نے کہا کہ جسم کے ہر عضو کا اپنا اپنا شکر ہے اور سب کا شکر مطلوب ہے۔

(۲) مستحب درجے کا شکر۔کہ نوافل اور مستحبات کے ساتھ شکر اور یہ احسان کا درجہ ہے۔رسول اللہ ﷺ کے پاؤں عبادت سے سوج جاتے تھے۔آپ سے کہا گیا کہ'' اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں پھر اس قدر کیوں تھکاتے ہیں؟ '' آپؐ نے فرمایا ''کیا اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟''

۸. جن اعمال کو صدقہ شمار کیا گیا ہے ان میں سے کچھ تو واجب عین ہیں جیسے نماز کیلیئے چلنا اور کچھ واجب کفایہ ہیں جیسے معروف کا حکم اور برائی سے روکنا،ضرورت مند کی مدد،لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا،صلح کروانا۔

۹. نیکی دو طرح کی ہے ایک تو وہ نیکی جسکا فائدہ کرنے والے کو اور دوسروں کو ہوتا ہے جیسے علم سکھانا،معروف بتانا،مدد کرنا۔دوسری نیکی وہ ہے جسکا فائدہ صرف کرنے والے کو ہو جیسے نماز نفل،نفل روزہ،تسبیح وتحمید کرنا۔

۱۰. چاشت کی نماز دوسری طرح کی نیکی ہے اور وہ صدقہ بن جاتی ہے۔مگر نفل عبادت میں وہ نیکی زیادہ افضل ہے جسکا فائدہ دوسروں کو بھی ہو۔

۱۱. اور صدقات میں ہاتھ سے،زبان سے ایذاء نہ دینا بھی آئے گا۔

مسلم کا حق ادا کرنا بھی صدقہ ہے جیسا کہ حدیث میں آپؐ نے مسلمان کے مسلمان پر ۵ حق بتائے ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) عبادت کرنا (۳) جنازہ میں شرکت (۴) دعوت نامہ قبول کرنا (۵) چھینک آنے پر دعائیہ الفاظ کہنا (اسکے الحمدللہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا) (بخاری ومسلم)

ایک حدیث میں آپؐ نے چھٹا حق بتایا ہے (۶) جب کوئی مشورہ مانگے تو خیر خواہی سے مشورہ دینا۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں آپؐ نے ساتواں حق بھی بتایا (۷) مظلوم کی مدد کرنا (بخاری ومسلم) صدقہ میں کسی ضرورت مند کو مدد کرنا،قرض دار کو

مہلت دینا شامل ہے۔صدقہ کسی بھی انسان کی مدد کرنا، جانور کی مدد کرنا تمام مخلوقات کا خیال رکھنا سب شامل ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ" ہر ذی حیات کے کام میں اجر ہے "(بخاری ومسلم وغیرہ)

ذاتی نیکی میں تسبیح وتحمید، استغفار، رسول اللہ ﷺ پر درود، تلاوت قرآن، نماز کیلیئے جانا، انتظار کرنا، تواضع، انکسار سب شامل ہیں۔اسی طرح سے نفس کا محاسبہ، ندامت، خشیت، اللہ کی یاد کرکے رقت طاری ہونا، اللہ کی تخلیق میں غوروفکر سب صدقہ میں آئینگے۔سعید بن مسیّبؒ، حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ غوروفکر کرنا اوراس طرح سے ایمان میں اضافہ کرنا بدنی نفلی عبادتوں سے بڑھ کر عمل ہے۔

****

حدیث نمبر ۲۷: نیکی اور بدی کی پرکھ

عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: " اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالْاِثْمُ مَاحَاکَ فِیْ نَفْسِکَ وَ کَرِھْتَ أَنْ یَطَّلِعَ عَلَیْہِ النَّاسُ۔ " (رواہ المسلم)

وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: أَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ: اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ، الْبِرُّ مَا اَطْمَأَنَّتْ اِلَیْہِ النَّفْسُ وَاَطْمَأَنَّ اِلَیْہِ الْقَلْبُ، وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِیْ الْنَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِی الصَّدْرِ، وَاِنْ أَفْتَاکَ النَّاسُ وَأَفْتَوْکَ " حَدِیْثٌ حَسَنٌ رَوَیْنَاہُ فِیْ مُسْنَدَی الْاِمَامَیْنِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَالدَّارِمِیِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعانؓ روایت کرتے ہین کہ نبی ﷺ نے فرمایا" نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے من میں کھٹکے اور لوگوں کو اسکی اطلاع ہونا تجھے اچھا نہ لگے" (مسلم)

وابصہ بن معبدؓ کہا کہ" میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا" تم نیکی کے بارے میں پوچھنے کیلئے آئے ہو؟" میں نے کہا " جی ہاں!" اس پر آپؐ نے فرمایا" اپنے دل سے فتویٰ پوچھ، نیکی وہ ہے جس پر نفس (من) میں اطمینان ہوا اور اس پر دل مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور سینے میں بے چینی ہو اگرچہ (مفتی) لوگ تجھے (اس کے جائز ہونے کا) فتویٰ دے دیں۔"

(حسن حدیث، احمد، دارمی)

پہلی حدیث کو احمد، ترمذی، ابن حبان، دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ دوسری حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح حدیث:

۱. احمد نے وابصہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ" میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور میرا ارادہ تھا کہ میں آپ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں ایک ایک بات پوچھوں گا۔" جب رسول اللہؐ کے نزدیک ہوئے تو آپؐ نے مجھ سے کہا" اے وابصہ! میرے قریب آؤ" میں آپؐ کے اتنے قریب ہو گیا کہ میرا گھٹنا آپؐ کے گھٹنے کو چھو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا

"اے وابصہ! میں تم کو بتاتا ہوں (کہ تم کیوں آئے ہو) تم جو سوال لے کر آئے ہو اسکو میں بتاؤں یا تم بتاؤ گے؟" میں کہا" یارسول اللہ ﷺ! اب آپؐ ہی بتا دیجئے" آپؐ نے کہا " تم مجھ سے نیکی اور برائی کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو" میں نے کہا " بالکل یہی بات ہے" آپؐ نے اپنی تین انگلیاں میرے سینے پر پھیریں اور کہا کہ" اے وابصہ! اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس طبیعت ٹھہر جائے اور دل اطمینان محسوس کرے۔ برائی وہ ہے جس سے دل میں کھٹک ہو اور دل میں تردد پیدا ہو۔ چاہے فتویٰ دینے والوں نے

(جواز کا) فتویٰ دے دیا ہو۔''

۲.(بِر) نیکی کے دو معنی ہیں (ا) مخلوق کے ساتھ حسن سلوک، اور مخلوق میں سب سے پہلے والدین آتے ہیں اس لئے انکے ساتھ حسن سلوک کا مقام سب سے بڑھ کر ہے اور حسن اخلاق بھی اس دائرے میں آتا ہے۔ حدیث میں نیکی کو حسن اخلاق سے تعبیر کیا گیا ہے محدثین نے اسی مفہوم کو سامنے رکھکر ایک عنوان رکھا ہے ''بِرّ وصلة رحمی کا باب'' (بخاری، ترمذی)

(۲) دوسرا مطلب ہے کہ نیکی نام ہے ان تمام فرمانبرداریوں کا جو ظاہری اعتبار سے اور باطنی اعتبار سے مطلوب ہیں جیسا کہ سورۃ بقرۃ ۱۷۷ میں ہے'' نیکی یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں.........''

قرآن میں ہے'' نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون نہ کرو '' (المائدہ:۶۔۷)

یہاں بِر سے مراد حسن سلوک ہے جسکے مدمقابل عدوان ہے جس سے مراد مخلوق کے ساتھ ظلم ہے۔ جبکہ تقویٰ سے مراد اللہ کا حق ادا کرنا اطاعت کر کے اور برائی سے اجتناب کر کے، جسکے مدمقابل ہے ''اِثم'' یعنی نافرمانی۔

۳. اطمینان قلب کو ایک اور حدیث میں شرح صدر کا نام بھی دیا گیا ہے۔

۴. اس حدیث کا دائرہ مشتبہات کے ساتھ بنتا ہے جبکہ بات واضح نہ ہورہی ہو کہ صحیح ہے یا غلط۔ جہاں پر بات پہلے سے واضح ہو اور جسکو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ یعنی اسلام ایسا مزاج بناتا ہے ک امت اجتماعی حیثیت میں وہی بات اختیار کرے گی جو درست ہو۔

۵. چاہے فتویٰ دینے والے فتوے دیتے رہیں '' اسکا مطلب یہ ہے کہ مفتی جو جواب دیتا ہے وہ بقدر سوال ہوتا ہے۔ اس لئے کبھی مجموعی صورت حال سے وہ جواب ہم آہنگ نہیں ہوتا ہے پھر وہ جواب پوچھنے والے کے ظاہری جملے کے مطابق ہوتا ہے دل کی حالت کا اس سے تعلق نہیں ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ فتوے میں صحیح طریقہ نہ اپنایا گیا ہو اور اسکے ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فتوے میں جواز کو سامنے رکھا گیا ہو جبکہ احتیاط کا درجہ دوسری بات میں ہو۔ تو ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ طے ہے کہ کسی کا فتویٰ کچھ بھی ہو اپنے اعمال کا جواب دہ ہر شخص خود ہے کسی فتوے کا حوالہ دے کر وہ اللہ کے یہاں ذمہ داری سے بچ نہ سکے گا۔

۶. اس حدیث کو نعمان بن بشیر کی حدیث '' حلال واضح ہے حرام واضح ہے '' کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے اور بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ '' سچ اطمینان ہے جھوٹ شک ہے'' والی حدیث میں یہی بات دوسری طرح سے کہی گئی ہے۔

۷. کیا کشف، الہام، خواب کو شرعاً کوئی اہمیت دی جاسکتی ہے؟ ان ذرائع کی جو بھی اہمیت ہو وہ صرف بشارت، اطمینان اور تائید کی حد تک ہی محدود ہوں گے۔ ان سے کوئی شرعی مسئلہ نہ حل ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ '' اگر تم مجھ سے منسوب کوئی بات سنو جس کو تمہارے دل پہچانیں اور تمہارے بال اور کھال اس پر سکون محسوس کریں اور تم دیکھو کہ وہ بات تم سے قریب ہے تو پھر وہ میری کہی بات ہے اور اگر تم ایسی بات سنو جسکو تمہارے دل نہ پہچانیں، اور اسکے اثرات سے تمہارے بال اور کھال الجھن محسوس کریں اور تم سمجھو کہ وہ چیز تم سے دور ہے تو میں بھی اس بات سے دور ہوں۔'' (احمد، بزار)

۸. حدیث کی جانچ کرنے والے علماء میں یہ ملکہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اصولوں کے مطابق جانچتے جانچتے احادیث کے سلسلے میں اس حد تک حساس ہوتے تھے کہ بہت ہی چھپی ہوئی بات کو قبول نہ کر پاتے تھے۔ اُعمش نے ابراھیم نخعی کے بارے میں کہا کہ وہ حدیث کے صراف تھے ۔ابوزرعة ،ابوحاتم کے بارے میں ایسے واقعات ملتے ہیں۔عبدالرحمٰن مہدی کہتے تھے کہ حدیث کی معرفت میں الہام کا بھی دخل ہے۔ ایسے علماء میں ابن سیرین ، ایوب سختیانی ،شعبہ، یحیٰی بن قطان ، احمد، ابن مدینی ، ابن معین ، بخاری ، ابوداؤد، ابوزرعة ، حاتم ،اوزاعی کے نام بہت معروف ہیں۔ایسے ائمہ حدیث کو حافظ ، امام اور سب سے بڑھ کر اُمیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب دیئے گئے ہیں۔

****

حدیث نمبر ۲۸: سنت پر قائم رہنا

عَنْ أَبِیْ نَجِیْحِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ ، فَقُلْنَا : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَاَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا ، قَالَ : أُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ، وَاِنْ تَأَمَّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ ، فَاِنَّهُ مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ فَسَیَرَی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا ، فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ عَضُّوَا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَاِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ ، فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ، وَکُلَّ ضَلاَلَةٍ ، فِی النَّارِ ۔"

(رواہ ابوداؤدووالترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: حضرت ابو نجیح عرباض بن ساریہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا وعظ فرمایا کہ ہمارے دل کانپ اٹھے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، ہم نے عرض کیا" یارسول اللہ ﷺ! یہ تو ایسی نصیحت ہے جو رخصت ہوتے وقت کی جاتی ہے لہٰذا آپؐ ہمیں وصیت فرمادیجئے۔" اس پر آپؐ نے فرمایا" میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور (امیر کی بات) سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمہارا امیر کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو اور تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ عنقریب بہت سے اختلاف دیکھے گا۔تم کو چاہیے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر جمے رہو، یہ خلفاء اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ میری اور میرے خلفاء کی سنتوں کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور تم کو چاہیے کہ نئی چیزوں سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جانیوالی ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی، حسن صحیح)

اس حدیث کو احمد، ابن ماجہ، بیہقی، طحاوی، مروزی، بغوی، حاکم، ابن حبان وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح حدیث:

۱. خطبہ کا مطلب جمعہ کا خطبہ بھی ہے، عید کا خطبہ بھی ہے اور دوسرے کسی موقع پر کسی مناسبت سے کی جانے والی تقریر سب کیلئے خطبہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ وعظ کا لفظ بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ اسکا اصل مقصد نصیحت کرنا، متوجہ کرنا ہے۔ آپؐ کا انداز تھا کہ لگاتار تقریر نہ کرتے، وقفہ دیتے اور حسب ضرورت بات کرتے اور بڑی موثر اور واضح بات کرتے ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جمعہ کا خطبہ مختصر ہوتا تھا۔

عمار بن یاسر نے ایک بار مختصر خطبہ دیا جب آپؐ سے یہ بات کہی گئی تو آپؐ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص کی نماز کا لمبا ہونا، اور خطبہ کا مختصر ہونا اسکے فقیہ ہونے کی علامت ہے سو تم بھی نماز کو طول دیا کرو اور خطبہ کو مختصر کیا کرو اور یہ کہ بیان بھی جادو کا ایک مظہر ہے۔ (احمد، مسلم، دارمی)

۲. یہ تقریر صبح کی نماز کے بعد کی گئی تھی۔ مگر آپؐ کی ایسی تقریریں بھی ہیں جو دن دن بھر چلی ہیں۔ اور ایسا انداز تھا کہ جیسے کسی حملے سے ڈرنے کے وقت ہوتا ہے۔

۳. ''رخصت ہونے والے کا سا انداز'' کہنے کا ایک انداز بھی ہوسکتا ہے اور اس سے یہ بھی مطلب سمجھا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے ایسے اشارے کیے ہونگے جن سے وہ سمجھے کہ اب آپؐ کی روانگی کا وقت قریب ہے۔ حجۃ الوداع میں تو یہ آپؐ کہہ چکے تھے کہ'' شاید میں اس سال کے بعد تم سے نہ مل سکوں'' (مسلم) بلکہ اسی لئے اسکو حجۃ الوداع کہا گیا۔ پھر مکہ سے واپسی میں ایک جگہ غدیر خم میں رک کر آپؐ نے تقریر کی جس میں کہا'' اے لوگو! میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ کبھی بھی میرے رب کا قاصد آجائے گا اور مجھے اسکو قبول کرنا ہے'' پھر آپؐ نے کہا'' میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (۱) کتاب اللہ (۲) میری آل (اہل بیت) '' (مسلم)

۴. تقویٰ تو دین کی بنیاد ہے اور سمع اطاعت امت کی وحدت اور نظم کے موثر ہونے کیلئے ضروری ہے۔ حسن بصریؒ کہتے تھے کہ'' حاکم کے ذمے پانچ کام ہیں (۱) جمعہ کا قیام کرے
(۲) جماعت سے نماز کیلئے انتظام کرے (۳) عید کی نماز کی تیاری کرے (۴) سرحدوں کی حفاظت کرے (۵) اللہ کے حکم توڑے جائیں تو حدود کا قیام کرے۔''
دین کی اٹھان امراء کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے چاہے وہ ظلم بھی کریں کیونکہ اللہ ان سے جو کام لے گا وہ اصلاح ہے اور وہ جو کریں گے وہ فساد ہے مگر اصلاح فساد سے زیادہ ہوگی۔ اس لئے انکی اطاعت نفس پر بھاری ہے اور تفرقہ کفر ہے۔

۵. ذمہ دار جب تک بھلائی کا حکم دے، جب تک وہ منتخب ہوا ہے اس وقت تک وہ واجب اطاعت ہے۔ ذاتی پسند ناپسند کا اس میں دخل نہ ہوگا۔ بس اصول ہے کہ'' اطاعت معروف میں ہو '' خالق کی نافرمانی میں '' مخلوق کی اطاعت نہیں ہے ''۔

۶. سنت کہتے ہیں ایسے راستے کو جو بار بار چلنے سے بن جائے۔ آپؐ کی سنت تو دین کا حصہ ہے اور خلفاء کی سنت کا مطلب ہے کہ آپؐ کے دیئے ہوئے اصولوں کی تفصیل اور آپؐ کے احکام کی تنفیذ۔ جیسا کہ ابو بکرؓ نے کہا کہ'' میں سنت کی پیروی کرنے والا ہوں نہ کہ نئی بات گھڑنے والا ''

۷. خلافت راشدہ کا یوں تو ۱۲ خلفاء تک دور چلے گا مگر ۴ اولین خلفاء یقینی طور پر اس فہرست میں آئیں گے کہ آپؐ نے فرمایا تھا'' خلافت کا دور میرے بعد (۳۰) تیس سال تک رہے گا پھر بادشاہت ہوگی۔ '' (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان)
ایک اور حدیث میں ہے کہ نبوت اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر اسکو اللہ اٹھالے گا۔ پھر وہ خلافت ہوگی جو نبوت کے نقشِ قدم پر ہوگی۔ جب تک اللہ چاہے گا وہ رہے گی پھر وہ اٹھالی جائے گی۔ پھر دانتوں سے نوچنے والی بادشاہت آئے گی اور جب تک چاہے گا وہ رہے گی پھر اٹھالی جائے گی، پھر بزور حکم نافذ کرنے والی بادشاہت آئے گی اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر وہ اٹھالی جائے گی۔ پھر وہ خلافت (پھر سے) آئے گی جو نبوت کے نقشِ قدم پر ہوگی ۔'' (احمد، بزار، طبرانی، اچھی سند والی روایت)

۸. امام مالک نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا تھا کہ'' رسول اللہ ﷺ نے کچھ سنتیں بتائی تھیں اور انکے بعد مسلمانوں کے امور کے ذمہ دار حکمرانوں نے کچھ سنتیں جاری کیں ۔ ان سنتوں کو تھامنا اللہ کی کتاب کو تھامنا ہے اور اس میں اللہ کے دین کی طاقت ہے ۔ کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ انکو بدلے یا انکے برعکس کرے ۔ پس جس نے انکو اختیار کیا وہ ہدایت کی راہ پر چلا اور جس نے ان کی مدد لی وہ مدد پا گیا ۔ اور جس نے انکو چھوڑا اور مومنین کے راستے کے علاوہ پر چلا تو اللہ اسکو اسکے حوالے چھوڑ دے گا ۔ یہاںتک کہ وہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور اس طرح وہ برے انجام کا شکار بنے گا (درمنثور ۱/۳۹۳)

۹. لوگ تین طرح کے ہیں (۱) ہدایت پر قائم: جس نے حق کو پہچانا اور اسکو اپنایا (۲) بھٹکا ہوا: جس نے حق کو جانا مگر اپنایا نہیں (۳) ضال، گمراہ: جس نے نہ پہچانا اور نہ چلنے پر آمادہ ہوا۔ اس طرح سے راشد اور مہدی وہ ہیں جس میں ہدایت بھی ہو اور اس پر چلے بھی ۔

۱۰. نئی بات دین میں نہ لاؤ کہ ہر بدعت راہ سے بھٹکاتی رہے '' آپؐ نے کہا کہ ہدایت وہ ہے جو محمدؐ کی لائی ہوئی ہے '' ''آپؐ نے فرمایا جس نے دین میں نئی بات کی وہ اس پر لوٹا دی جائے گی'' بدعت نام ہے دین سمجھ کر وہ کام کرنا جسکی دلیل شریعت میں نہ ہو۔ بدعت حسنہ ، بدعت سیئہ ۔صرف لغت کے اعتبار سے ہیں ۔ دین کے لحاظ سے ہر بدعت بری بدعت ہے، مگر بدعت اور مصلحت پر مبنی نئی بات میں فرق ہے ،ایسی مصلحت کو مصلحت مرسلہ کہتے ہیں کہ اسکی اصل شریعت میں موجود ہوتی ہے ۔

****

حدیث نمبر۲۹: دین کا مکمل نقشہ

عَنْ مَعاذَ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قُلْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُدْخِلْنِیْ الْجَنَّۃَ وَیُبَاعِدُنِیْ عَنِ النَّارِ ؟ قَالَ : لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ عَظِیْمٍ وَاِنَّہُ لَیَسِیْرٌ عَلٰی مَنْ یَسَّرَہُ اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ ، تَعْبُدُ اللّٰہَ لَا تُشْرِکُ ، بِہٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلَاۃَوَتُوْتِیِ الزَّکَاۃَ ، وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ ، وَتَحُجُّ الْبَیْتَ ، ثُمَّ قَالَ : أَلَا أَدُلُّکَ عَلَی أَبْوَابِ الْخَیْرِ ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ ، وَالصَّدَقَۃُ تُطْفِیْ ءُ الْخَطِیْئَۃَ کَمَا یُطْفِیءُ الْمَاءُ النَّارَ ، وَصَلَاۃُ الرَّجُلِ فِی جَوْفِ اللَّیْلِ ، ثُمَّ تَلَا:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حتّٰ بَلَغَ ، یَعْمَلُوْنَ ، ثُمَّ قَالَ : أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ الْاسْلَامُ وَعَمُوْدُہُ الصَّلَاۃُ ، وَذِرْوَۃُ سَنَامِہِ الْجِھَادُ ، ثُمَّ قَالَ : أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكَ ذٰلِکَ کُلِّہٖ ؟ قُلْتُ : بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ، فَأَخَذَ بِلِسَانِہٖ ، وَقَالَ : کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا، قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ وَ اِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِہٖ فَقَالَ ثَکِلَتْکَ اُمِّکَ یَا معاذُ وَھَلْ یَکُبُّ النَّاسَ النَّارَ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ أَوْقَالَ : عَلَی مَنَاخِرِھِم اِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِھِمْ ۔ (رواہ الترمذی و قال حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ’’یارسول اللہ ﷺ ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کر دے۔‘‘ آپؐ نے ارشاد فرمایا ’’تم نے بڑی عظیم چیز کے بارے میں سوال کیا ہے اور بلاشبہ یہ اس شخص کیلئے آسان بھی ہے جس کیلئے اللہ آسانی پیدا فرما دے۔‘‘ پھر ارشاد فرمایا ’’تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔‘‘ اسکے بعد فرمایا ’’کیا میں تم کو خیر کے دروازے نہ بتاؤں ؟ سنو! خیر کے دروازے یہ ہیں: روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے اور انسان کا رات کے درمیانی حصے میں نماز پڑھنا‘‘ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی ’’انکے پہلو خواب گاہ سے علیحدہ ہوتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ پوشیدہ طور پر انکی آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے کیا رکھا گیا ہے۔ یہ بدلہ ہے اسکا جو وہ کرتے تھے۔‘‘ (السجدۃ:۱۶،۱۷) پھر فرمایا ’’کیا تم کو دین کی اصل چیز، اس کا ستون اور اسکی چوٹی کا عمل نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا ’’یارسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں‘‘ آپؐ نے فرمایا ’’دین میں اصل چیز اسلام ہے (یعنی حکم سن کر فرمانبرداری کیلئے آمادہ ہو جانا) اور دین کا ستون نماز ہے اور اسکی چوٹی کا عمل جہاد ہے۔‘‘ پھر فرمایا ’’کیا تم کو ایسا عمل نہ بتادوں جس کے ذریعے ان سب اعمال پر قابو پایا جا سکے؟‘‘ میں نے عرض کیا ’’ضرور یارسول اللہ ﷺ‘‘ اس پر آپؐ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا ’’اسکو اپنے حق میں مصیبت بننے سے روکو۔‘‘ میں نے عرض کیا ’’اللہ کے نبی ﷺ کیا ہمارے بولنے پر بھی ہماری گرفت ہوگی؟‘‘ معاذؓ! تم بھی عجیب آدمی ہو، لوگوں کو منہ کے

بل یا آپؐ نے فرمایا ناک کے بل آگ مین دھکیلنے والی انکی زبان کی کھیتی کے علاوہ اور کیا چیز ہے؟'' (ترمذی کی روایت اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، حاکم، ابن حبان وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح حدیث: ۱. ۲۲ نمبر کی حدیث میں اس سے ملتا جلتا مضمون آچکا ہے۔

۲. عمل کا سبب نجات ہونا طے ہے مگر اللہ کا قبول کر لینا ہی وہ رحمت ہے جسکے ساتھ عمل فائدہ دے گا ''تم میں سے کوئی جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے داخل نہ ہوگا'' (بخاری و مسلم)

۳. بہت بڑی بات مانگی ہے کہ دین کا مقصد، رسول کی آمد کا یہی موضوع ہے۔

۴. ''جس کیلئے اللہ آسان کر دے تو پھر آسان بھی ہے'' توفیق الٰہی کے ساتھ یہ مہم سر ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''عمل کرتے رہو کہ ہر ایک جس کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کیلئے آسان بھی ہے۔''

۵. اسلام کے ارکان بتانے کے بعد آپؐ نے وہ باتیں بتائیں جنکے ساتھ نیکی آسان ہوتی ہے اور برائی مشکل، اور جن باتوں کے ساتھ اسلام کے ارکان پر عمل آسان بھی ہوتا ہے اور مفید بھی۔ پھر ان میں واجبات کے ساتھ نوافل بھی آجاتے ہیں۔

۶. ''روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس میں سوراخ نہ ہو جائے۔'' (احمد، نسائی)

۷. ''صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے'' یا دوسری حدیث کے مطابق ''اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے'' (ترمذی)

۸. تہجد کی نماز فرض نماز کے بعد افضل نماز ہے۔ حضرت بلالؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''رات کی نماز کو اپنی عادت بنالو کہ یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی پہچان تھی۔ اور رات کی نماز اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے، اور گناہ سے بچانے والی ہے۔ اور برائیوں کا کفارہ بنتی ہے اور جسم کی بیماریوں سے اسکو بچاتی ہے۔'' (ترمذی)

۹. نماز کو ایک اور حدیث میں **''قِوَام الدین''** (یعنی جس پر دین کھڑا ہوتا ہے) کہا ہے۔

۱۰. جہاد اسلام کی اعلیٰ ترین شاخ ہے جس کے بغیر عمارت مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔ دوسرے یہ اعلیٰ ترین عبادت ہے اور یہ دین کا حصہ ہے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔ نہ منسوخ ہوگا۔ نہ کسی کے عمل کی وجہ سے روکا جائے گا۔

۱۱. ہر چیز کا نچوڑ، ہر شے کا کنٹرول، ہر بات کا safety valve ہوتا ہے۔ اسلام میں یہ مقام زبان کو دیا گیا ہے کہ اس سے یہاں اچھی بات نکلیں وہیں وہ مضر اور غلط باتوں کو روک لے اور انسان کو زبان پر یہ قابو حاصل ہو تو بس کام بن گیا، اسی لئے آپؐ نے کہا کہ '' زبان سے خیر کی بات کہے ورنہ خاموش رہے''

۱۲. آپؐ نے فرمایا ''جہنم میں دو چیزوں کی وجہ سے سب سے زیادہ لوگ داخل ہوں گے (۱) زبان (۲) شرمگاہ (احمد، ترمذی)

حسن بصریؒ کہتے کہ زبان سارے بدن کی ملکہ ہے اگر اس نے زیادتی کی تو سارے جسم سے زیادتی ہوگی اور اگر یہ محفوظ رہی تو سارا بدن محفوظ ہوگیا۔

****

حدیث نمبر ۳۰: دین میں اعتدال

عَنْ أَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخَشْنِیِّ جَرْثُوْمِ بْنِ نَاشِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ : اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا ، وَحَرَّمَ أَشْیَاءَ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ أَشْیَاءَ رَحْمَةً لَکُمْ غَیْرَ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا " (حَدِیْثٌ حَسَنٌ رواه الدَّار قطنی وغیره)

ترجمہ: ابوثعلبہ خشنی جرثوم بن ناشرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں سوانہیں ضائع نہ کرو، کچھ حدیں مقرر کی ہیں پس انہیں نہ پھلانگو، بعض چیزیں حرام قرار دی ہیں اور بہت سی چیزوں سے تم پر رحمت کرتے ہوئے بغیر بھولے خاموشی اختیار کی ہے سوانکی کریدنہ کرو۔" (حسن حدیث / دار قطنی)

اس حدیث کودار قطنی ،طبرانی ،بیہقی ،حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح حدیث:

١. بعض علماء کا قول ہے کہ یہ مجموعہ احادیث کی ایسی منفرد حدیث جس میں دین کے اصول ،فروع سب کو جمع کر دیا گیا ہے دوسرے عالم نے کہا کہ اس حدیث کے ۴ جملوں میں دین کو جمع کر دیا گیا ہے۔ایک اور عالم نے کہا کہ جس نے اس حدیث پر عمل کرلیا اس نے ثواب کمالیا اور سزا سے بچ گیا وہ اس طرح کہ فرائض کی ادائیگی سے نیکی مل گئی ،محرمات سے بچ کر گناہ سے دور ہو گئے ،اوراللہ کی متعین کردہ حد بندیں کا خیال رکھ کے اللہ کی ناراضگی سے بچ گیا، پھران باتوں سے دور رہا جومطلوب نہیں سوساری اچھی باتوں کو جمع کرلیا۔

٢. فرض اورواجب ایک ہیں یاان میں کچھ فرق ہے۔علماء کی اس مسئلے میں دورائیں ہیں۔

٣. حرام باتیں وہ ہیں جودلیل قطعی سے ثابت ہیں۔جیسے" آؤمیں وہ باتیں بتاؤں جورب نے حرام کی ہیں۔۔۔۔" (انعام:١۵١)
اسی طرح سے سورۃ اعراف کی ۳۳ آیت میں فواحش کی حرمت کا ذکر ہے۔ محرم باتیں متعین ہیں اوران کوذکر کرکے بتا دیا ہے۔

۴. اللہ کی حد بندی کالحاظ کرنا دین کا حصہ ہےاوراللہ کی رضا مندی کا سبب ہے (دیکھئے نساء:١٣،١۴ / بقرۃ:٢٢٩ / طلاق:١)
اسکی تشریح ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ نے صراط مستقیم کی مثال اس طرح سے سمجھائی ہے کہ ایک سیدھا راستہ ہےاوراسکے دونوں طرف دیواریں ہیں جن میں دروازے نصب ہیں جو کھلے ہوئے ہیں اوران دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔راستے کے آغاز میں ایک پکارنے والا کھڑااعلان کر رہا ہے کہ اے لوگو! یہ راستہ سیدھا جا رہا ہے تم اسی پر چلتے جاؤ،ادھرادھر نہ مڑو،ایک اوراعلان کرنے والا راستے کے بیچ میں موجود ہے۔اب اب اگر کوئی کسی دروازے کا پردہ ہٹا کراسکو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے خدا کے واسطے دروازے کومت کھولو ،اسکواگر کھولو گے تو پھر داخل بھی ہو سکتے ہو۔

راستہ اسلام ہے، دیواریں اللہ کی حدود ہیں، کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ کی باتیں ہیں، داعی قرآن ہےاوردوسراداعی انسانِ مسلم کے

اندر کا ضمیر ہے (احمد، نسائی، ترمذی)

****

حدیث نمبر ۳۱: اللہ تعالیٰ کی رضا اور لوگوں کی محبت

عَنْ أَبِیْ الْعَبَّاسِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی النَّبِیِّ ﷺ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِیَ اللّٰهُ وَأَحَبَّنِیَ النَّاسُ فَقَالَ: اِزْهَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبَّکَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبُّکَ النَّاسُ '' (حدیث حسن، رواه ابن ماجة وغیره بِأسانید حسنة)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے، جسکے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اور لوگ بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں۔'' آپؐ نے ارشاد فرمایا ''دنیا سے بے رخی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے توجہ ہٹا لو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔'' (حسن حدیث، ابن ماجہ اور دیگر نے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے)

شرح حدیث:

۱. ترمذی نے بھی اسکو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن ہے۔ سیوطی نے اسکو صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور کہا کہ صحیح ہے۔ بیہقی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اسکے راویوں میں سے ایک خالد بن عمرو کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ (یعنی ان پر اعتراضات ہیں)

۲. اس حدیث میں دو بہت ہی اہم ہدایتیں دی گئی ہیں۔ جو کہنے کو تو بہت مختصر ہیں مگر تفصیل میں جائیں تو پوری زندگی کا لائحہ عمل بتاتی ہیں۔

۳. دنیا کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ اسکو ایسے برتا جائے جیسے یہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور اسکے سحر میں گرفتار ہو کر آخرت کی تیاری کو بھلا دیا جائے۔ اس لحاظ سے دنیا سے تعلق برا ہے۔ اور جہاں بھی مذمت کے الفاظ آئے ہیں، اس وجہ سے آئے ہیں۔ اور اسکا علاج ہے (زھد) دنیا سے بے رغبتی۔

مگر دنیا کی دوسری حیثیت بھی ہے کہ وہ متاع ہے یعنی برتنے اور استعمال کرنے کیلئے دی گئی ہے، وہ آخرت کی کھیتی ہے، اسی کیلئے تیاری کا گھر ہے۔ اس لحاظ سے دنیا سے تعلق دین کا حصہ ہے۔

ابوذرؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ '' زھد یہ نہیں ہے کہ جو حلال ہے اسکو حرام کر لیا جائے اور نہ اسکا نام ہے کہ جو مال ہے اسکو ضائع ہونے دیا جائے... زھد یہ ہے کہ تم یہ یقین رکھو کہ جو اللہ کے پاس ہے اس پر تمہارا زیادہ بھروسہ ہو، نہ کہ اس پر جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اور جب تم پر کوئی مصیبت گزر جائے اور جو تمہارے پاس تھا وہ کھو جائے تو تم کو اس پر جتنا غم ہو، اسکے بدلے میں اللہ کے پاس جو اجر محفوظ ہے اسکی تم کو زیادہ قدر ہو۔'' (غریب حدیث۔ ترمذی) عمرو بن واقد (منکر حدیث ہے) یعنی اس حدیث کا راوی ہے جو محدثین کے نزدیک بے اعتبار ہے)

ابن رجب کہتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے (یعنی صحابی تک ہی اسکی سند ہے)

۴. زھد دل کی کیفیت کا نام ہے فضیل بن عیاض نے کہا " زھد کی روح یہ ہے کہ اللہ کی رضا ہر چیز پر مقدم ہو۔" اسکا ایک اور نام قناعت ہے۔اور یہی استغناء ہے۔اور اس کیفیت کے ساتھ بندہ اللہ کی رضا اور اسکے فیصلے کو قبول کرنے کے ساتھ مخلوق سے نہ امید رکھتا ہے، نہ خوف۔عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا" اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش نہ کرنا، اور شکر صرف اللہ کا ادا کرنا، اور جو قسمت میں نہ ہو اس پر کسی کو ذمہ دار نہ ٹھہرانا، زھد یہ ہے کہ اللہ جو دیتا ہے وہ کسی کی چاہنے یا نہ چاہنے سے روکا نہیں جا سکتا ہے، کہ اللہ انصاف، علم، حکمت کے ساتھ ہی فیصلہ کرتا ہے۔(نہ کہ کسی چاہنے یا نہ چاہنے پر)

ابن عمرؓ سے مروی حدیث ہے کہ آپؐ اپنی دعا میں کہتے تھے کہ" اللہ مجھے اپنی خشیت کا اتنا حصہ دے جسکو میں اپنے اور معصیت کے درمیان حائل کرسکوں اور ایسی اطاعت کی توفیق دے جو جنت دلا سکے اور یقین کا ایسا حصہ دے جس سے دنیا کے مصائب ہلکے ہو جائیں۔"

(ترمذی، نسائی، حاکم)

۵. بندے پر جب مصیبت گزرے تو اسکی کیفیت یہ ہو کہ دنیا کی وہ نعمت کے جانے سے زیادہ اسکو اس ثواب کا شوق ہو جو اسکو ملنے والا ہے، یہ کمال یقین کی علامت ہے۔

۶. حق کے معاملے میں اسکو اس سے کوئی فرق نہ پڑے کہ اسکی تعریف ہوئی یا مذمت ہوئی جبکہ دنیا کی محبت رکھنے والے کو اس بات سے خوشی ہوگی کہ لوگ اسکی تعریف کریں۔ عبدللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ" یقین کی علامت یہ ہے کہ اللہ کی ناراضگی کے مقابلے میں لوگوں کو راضی کرنے کا خیال تک نہ آئے۔"

ابن ابی الدینا نے اپنی سند سے ضحاک بن مزاحمؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی اللہ کے نبیؐ کے پاس آیا اور پوچھا کہ" اے اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ زاھد کون شخص ہے؟ آپؐ نے فرمایا" جو نہ بھولے کہ اسے قبر میں جانا ہے اور سب کچھ بوسیدہ ہو جائے گا، اور جو دنیا کی زینت کو چھوڑ دے اور فنا ہونے والے پر باقی رہنے والے کو ترجیح دے اور دنیا کے آنے والے دن کے غم میں تیاری پر تیاری نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ اسکو مرنا ہے۔" (مرسل سند سے، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں بھی سے روایت کیا ہے)

عبداللہ بن مبارکؒ نے سلام بن ابی مطیع کا قول نقل کیا ہے کہ" زاھد تین طرح کے ہیں (۱) اللہ کیلیئے خالص نیت کے ساتھ قول اور عمل انجام دے، دنیا کی طلب سے بالکل دور رہ کر (۲) جو صالح اور مفید نہ ہو اسکو چھوڑ کر مفید عمل انجام دے (۳) حلال کام میں بھی ضرورت کی حد تک جائے۔"

ابراھیم بن ادھمؒ نے کہا ہے کہ" (۱) ایک زھد تو فرض ہے یہ حرام سے بچنے میں ہے (۲) دوسرا زھد بہتر ہے وہ یہ ہے کہ حلال کو بھی ایک حد تک استعمال میں لائے (۳) تیسرا زھد سلامتی کیلیئے ہے کہ شبہات سے دور رہے۔"

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دنیا مومن کیلیئے قید و بند کی جگہ ہے اور کافر کیلیئے جنت ہے (جہاں

پر وہ سمجھتا ہے کہ ہر چیز کی آزادی ہے) ‘‘ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، طبرانی وغیرہ)

قتادہ بن نعمانؓ نے نبیؐ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا’’ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسکو دنیا سے بچا لیتا ہے بالکل اسی طرح جیسے تم سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔‘‘ (ترمذی، حاکم، ابن حبان، صحیح حدیث) حاکم کے الفاظ ہیں کہ جیسے تم بیمار کو کھانے پینے سے اس لئے دور رکھتے ہو کہ اسکی بیماری بڑھ نہ جائے۔‘‘

ایک اور حدیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ دنیا قابل لعنت ہے۔ اور جو اس میں ہے وہ لعنت لانے والی ہے، سوائے اسکے کہ اللہ کا ذکر ہو اور جو اسکے ساتھ جڑ جائے یا وہ عالم بن کر وقت گزارے یا طالبعلم کی حیثیت میں رہے۔‘‘ (ترمذی، بیہقی، ابن ماجہ، طبرانی (حسن یا صحیح)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور اسکی تمام چیزیں اللہ سے اور اسکی رحمت سے دور کرنے والی ہو سکتی ہیں اگر وہ خدا سے دور کر دیں۔ خدا کو بھلا دیں۔ مگر جب اللہ کا ذکر ہوتا رہے علم دین اور علم نافع کے سیکھنے اور سکھانے میں وقت گزرے تو اس سے اللہ کا قرب بھی حاصل ہوگا اور دنیا ایک نعمت ہو جائے گی۔

’’دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو تو تم کو اللہ محبوب بنا لے گا‘‘ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس نے دنیا کو چاہا اس نے اپنی آخرت خسارے میں ڈالی۔ اور جس نے آخرت کو اپنایا اسکی دنیا تکلیف دہ ہوئی۔ سو تم اسکو پسند کرو جو باقی رہنے والی ہے نہ کہ جو فنا ہونے والی ہے۔‘‘
(صحیح ابن حبان، احمد، بیہقی، حاکم، ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا’’ جس نے دنیا کو سب کچھ سمجھ لیا تو اللہ اسکے معاملے کو بکھرنے دے گا، اور وہ محتاجی کو اپنے سامنے دیکھے گا اور دنیا سے اسے ملے گا بس اتنا ہی جتنا اس کیلئے پہلے سے طے ہے۔ جبکہ جو آخرت کو اپنی نیت میں لے آئے گا تو اللہ اسکے معاملے کو جمع کر دے گا اور استغنا اسکے دل میں سما جائے گا اور دنیا اسکی طرف کھنچی آئے گی‘‘

(زید بن ثابتؓ سے، احمد، ابن ماجہ، طبرانی، ابن حبان۔ صحیح)

جو لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیازی دکھاؤ تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے‘‘ ایک حدیث میں ہے کہ’’ مومن کی سر بلندی تہجد ادا کرنے میں ہے اور اسکی عزت لوگوں سے بے نیازی میں ہے۔‘‘ (ابو نعیم کی کتاب حلیۃ الأولیاء میں، حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے)

عبد اللہ بن سلامؓ کی حضرت عمرؓ کی مجلس میں کعب احبار سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے سوال کیا کہ’’ اہل علم کون ہیں؟‘‘ انہوں نے جواب دیا کہ’’ جو عالم با عمل ہوں‘‘ سوال ہوا کہ’’ دل سے علم کیسے نکلے گا، جبکہ وہ اسے سیکھ گئے، دل میں اتار لیا؟‘‘ کعب نے کہا’’ لالچ، حرص، لوگوں کی چیزوں پر نظر اور ان سے مدد مانگنا۔‘‘ عبد اللہؓ نے کہا’’ آپ نے بالکل صحیح کہا‘‘

(ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان **العلم وفضلہ** جلد ۲۔ صفحہ ۸)

****

حدیث نمبر ۳۲: اسلام میں نقصان نہیں

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ سَعْدِ بْنِ مَالِکِ بْنِ سِنَانٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ۔ ’’ (حَدِیْثٌ حَسَنٌ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارُ قَطْنِیُّ وَغَیْرُھُمَا مُسْنَدًا، وَرَوَاہُ مَالِکٌ فِی الْمُؤَطَّا مُرْسَلًا عَنْ عَمْرِ وبْنِ یَحْیٰی عَنْ أَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فَاَسْقَطَ أَبَا سَعِیْدٍ وَلَہُ طُرُقٌ یُقَوِّیْ بَعْضُھَا بَعْضًا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن سنان خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا ’’اسلام میں کسی کونقصان اور تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔‘‘ (یہ حسن حدیث ہے ابن ماجہ اور دارقطنی اور دیگر نے اسکو سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔اور اسکو مالک نے موطا میں عمرو بن یحیٰی سے روایت کیا ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور جو نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں مگر یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں ابوسعید (صحابی) کا نام ہٹا دیا ہے۔اس حدیث کوئی سند سے روایت کیا گیا ہے جس سے اس حدیث کوتقویت ملتی ہے۔

(امام شافعی نے اسکو امام مالک سے روایت کیا ہے یہ حدیث ۸ صحابہ سے مروی ہے دیکھئے۔حاکم ،بیہقی ،دارقطنی ،احمد،ابن ماجہ،طبرانی، ابوداؤد....اس حدیث کے اتنے سلسلے ہیں جن سے یہ قوی درجہ کی حدیث شمار ہوگی)

(دیکھئے نصب الرایۃ جلد۴ صفحہ ۳۸۴ تا ۳۸۶ ،مجمع الزوئد جلد۴ صفحہ ۱۱۰، جامع الاصول جلد ۷ صفحہ ۴۱۲)

شرح حدیث:

دارقطنی ۔حاکم ،بیہقی کی روایت ابوسعید خدریؓ سے ہے کہ آپؐ نے فرمایا’’ نہ تو نقصان اٹھانا ہے نہ پہنچانا ہے۔جس نے ایسا کیا اسکو اللہ نقصان میں ڈالے گا اور جس نے معاملے کو مشکل تر بنایا تو اللہ اسکو مشقت میں ڈالے گا۔‘‘

(حاکم نے کہا کہ صحیح ہے اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے)

مرسل حدیث کے بارے میں امام شافعی کہتے ہیں’’اگر یہ حدیث دوسری روایت میں سند کے ساتھ ہے یا مسند کو صحابی کے بغیر بیان کرنے والا وہ ہو جو علم کیلئے اس سے بھی لے جس نے ارسال کیا اور اس سے بھی جس نے ارسال نہیں کیا تو اسکا ارسال قابل قبول ہے۔‘‘

(رسالہ،صفحہ ۴۶۲)

(امام شافعیؒ مرسل حدیث کو معتبر نہیں مانتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ اسے معتبر مانتے ہیں، مگر امام شافعی نے تابعین کے اونچے طبقے کی مرسل کو قبول کیا ہے)

اس حدیث کو ایک بنیادی حدیث شمار کیا گیا ہے، کیونکہ اس میں جو معانی ہیں ان سے اسلام کے احکام کی حکمت سمجھی جاسکتی ہے۔وہ یہ ہے کہ اس شریعت میں ضرررسانی کو دور کرتے ہوئے احکام دیئے گئے ہیں اسی لئے ایسا قدم غیر شرعی ہوگا جو ضرررسانی پر مبنی ہو، چاہے وہ اس لئے ہو کہ دوسرے کو بغیر شرعی گنجائش کے نقصان ہو یا اپنے فائدے کی خاطر دوسرے کو ضرر ہو۔اللہ کے حق کی ادائیگی میں یا ظلم کے ازالے کیلئے جو

سزا، تکلیف ہو، اسکا جواز اس لئے ہے کہ یہ شرعی حکم کو قائم کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

قرآن میں بھی ضرر رسانی کے بارے میں کئی مواقع پر تذکرہ ہے جیسے کہ میراث کے سلسلے میں کیا گیا وصیت کا حصہ یا قرض کی رقم نکالی جائے، اس طرح سے کہ وہ ضرر پر مبنی نہ ہو (دیکھئے سورۃ نساء آیت نمبر:۱۲) مطلب یہ ہے کہ وصیت اس لئے نہ ہو کہ اس سے اصل حقداروں کو حق سے محروم کرنے کی نیت ہو۔ ابن عباس نے کہا کہ ایسی وصیت کبیرہ گناہ ہے۔

اسی طرح بیوی کو طلاق دے کر رجوع کر کے یہ مقصد نہ ہو کہ اسے ستایا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''انکو ستانے کیلئے نہ روکو کہ اسطرح سے حد سے گزر جاؤ گے۔'' (سورۃ البقرۃ:۲۳۱)

اسی طرح خرید وفروخت کا اصول یہ ہے کہ فریقین کی باہمی رضامندی سے معاملہ طے ہو۔ سورۃ نساء:۲۹ میں ہے کہ'' اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ ہاں یہ کہ وہ تجارت کے ذریعے سے ہو اور باہمی رضامندی سے ہو...'' اسی لئے اسلام نے ایسی تمام صورتیں منع کر دی ہیں جن میں یا تو سود ہے، حرام شے داخل ہے یا جس میں یک طرفہ فائدہ ہے۔ جیسے جوا، لاٹری، غرر (دھوکا، خطرہ) بغیر قبضے کے سامان بیچنا، حیلہ اختیار کرنا، ذخیرہ اندوزی، بازار میں سامان آنے سے پہلے کسان سے خرید لینا، فیوچر سیل (Future Sale) وغیرہ وغیرہ۔

****

حدیث نمبر ۳۳: فیصلے کرنے کیلئے ایک اہم قاعدہ

عَنْ أَبِیْ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: لَوْ یُعْطَی النَّاسُ بِدَعْوَاھُمْ، لَادَّعَی رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَ ھُمْ، لٰکِنِ الْبَیِّنَۃُ عَلَی المُدَّعِی وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ أَنْکَرَ"

(حَدِیْثٌ حَسَنٌ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ وَغَیْرُہٗ ھٰکَذَا وَبَعْضُہٗ فِی الصَّحِیْحَیْنِ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اگر محض دعویٰ کی بنیاد پر لوگوں کا حق تسلیم کر کے انکو دے دیا جائے تو لوگ دوسروں کے مالوں اور جانوں کے بارے میں اکثر دعویٰ کرنے لگیں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ گواہ لانا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم اٹھانا منکر (انکاری/مدعی علیہ) کے ذمہ ہے۔"

(حسن درجے کی حدیث بیہقی اور دیگر محدثین کی روایت، اس حدیث کا کچھ حصّہ بخاری و مسلم میں آیا ہے)

شرح حدیث:

اس حدیث کو ابن حبان، ترمذی، دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ بخاری و مسلم والی حدیث کو احمد، ابن ماجہ، طبرانی کبیر میں، بیہقی، ابوداؤد، نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ (دیکھئے جامعہ الاصول جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۴۔ نصب الرایۃ جلد ۴ صفحہ ۹۵)

نیل الاؤطار جلد ۸ صفحہ ۳۰۵۔ اس حدیث کی مختلف سندیں ہیں، صحیح بھی ہیں اور کچھ ضعیف بھی مگر بخاری و مسلم میں آنے کی وجہ سے سند کی صحت یقینی ہوگئی ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک اور روایت اشعث بن قیس سے ہے کہ میرے اور ایک شخص کے درمیان ایک کنوئیں کے سلسلے میں اختلاف بڑھا تو ہم معاملے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ "یا تو تم دو گواہ لاؤ یا یہ قسم کھائیں۔" میں نے کہا کہ (میرے پاس تو گواہ نہیں ہیں) اسی کو قسم کھانے کو کہئے۔ اور وہ ایسا ہے کہ پرواہ کئے بغیر قسم کھا سکتا ہے (کہ سچا معاملہ ہے یا جھوٹا) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی ایسے مال کے دعوے قسم کھائی جو اسکا نہیں ہے تو اسکی اللہ سے جب ملاقات ہوگی تو اس وقت اسکو غضبناک پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت اتاری: "بیشک وہ لوگ جو اللہ سے کئے عہد، اور قسم کے بدلے تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں (اور عہد توڑتے ہیں) انکو آخرت میں کوئی حصّہ نہ ملے گا اور قیامت میں اللہ ان سے بات کرے گا نہ اسکو تزکیہ سے گزارے گا اور انکو دردناک عذاب ہوگا" (آلِ عمران: ۷۷)

حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر ابوموسیٰ اشعری کو ایک ایک ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا تھا، اس میں بھی یہ عبارت آئی ہے کہ "ثبوت کی ذمہ داری دعویٰ کرنے والے کی ہے اور جو دعوے سے انکار کرے وہ صرف قسم کھانے کا پابند ہے۔" (بیہقی اور دارقطنی میں)

ابن منذر نے لکھا ہے کہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ دعوے کے ساتھ ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے۔ جبکہ ثبوت نہ ہو تو مدعا علیہ کا قسم کھا کر

انکار کرنا کافی ہوگا۔اور یہ عمل وجوب کے درجے کا ہے (دونوں کواسکی پابندی کرنی ہوگی)

(بینہ) کسی بھی ایسی بات کو کہتے ہیں جو کھلی کھلی ہو، واضح ہو، یہاں اس سے مراد ہے کہ ایسی دلیل یا ثبوت جو عقلی لحاظ سے یا محسوس ذرائع سے فیصلہ کو کھول دے۔ واضح تائید کردے، شرعی لحاظ سے اسکا کم سے کم درجہ ہے، ۲ گواہ اور ایک رائے کے مطابق ایک گواہ اور قسم یا دو مردوں کی جگہ ۴ عورتیں ، یا بعض احکام میں ۴ گواہ اور بعض معاملات میں صرف ایک مرد یا ایک عورت۔اور بعض معاملات میں ایک بڑی تعداد اس قانون کا استعمال چونکہ ایسے موقع پر ہی ہوتا ہے جہاں تنازعہ ہو، اختلاف ہو، اس لئے ان جگہوں میں جہاں تنازعہ کا امکان نہیں ہے وہاں صرف کہنے والے کا اپنا قول بھی کافی ہے۔بشرطیکہ وہ عدل ہو (اس پر کوئی تہمت نہ لگی ہو)

اسی طرح اس قاعدے کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام میں ایک شخص اس وقت تک بری ہے، بے گناہ ہے، جبتک اسکے خلاف ثبوت نہ فراہم ہو، صرف کسی کے کہنے سے وہ مجرم نہیں ہوجائے گا۔

چاند دیکھنے کے سلسلے میں آپؐ نے ایک کی گواہی مان لی لِعان کے موقع پر ۴ مرتبہ کہنے کو کافی مان لیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مشہور قاضی گزرے ہیں ''شریح'' انکے پاس مسئلہ آتا تو وہ قرینہ کو بھی استعمال میں لاتے تھے یعنی ایسی علامتیں جو مسئلے میں ایک رخ کو متعین کرنے میں مدد دیں، جیسے بچے کے پہچاننے میں قیافہ شناس سے مدد لینا یا آج کل DNA کا ٹیسٹ ہے، اس سے مدد لینا، گواہی کے سلسلے میں عدد کا مسئلہ بھی شریعت نے متعین کیا ہے اور مرد عورت کا مسئلہ بھی دین کے بتانے سے ہوا ہے۔ اسی طرح گواہ کا معتبر ہونا بھی ایک ضروری مسئلہ ہے۔ان امور میں جو الگ الگ عدد ہیں انکا تعلق کسی کے کسی پر برتر ہونے سے نہیں ہے بلکہ اسکا تعلق دونوں باتوں سے ہے جسکے خلاف گواہی دی جائے وہ غلط گواہی کا نشانہ نہ بنے اور جو گواہی دے رہا ہے وہ واقعہ کا گواہ بھی ہو اور واقعہ اسے یاد بھی ہو۔اسی لئے کسی مرد یا عورت پر بدکاری کی تہمت لگائی جائے اور ۴ گواہ بالکل یکساں بیان نہ دیں تو الٹی انکو سزا ہوگی جسکو ''حدقذف'' کہتے ہیں اور جسکا ذکر سورۃ نور: آیت نمبر ۴ میں ہے۔

جو مدعا علیہ ہے اگر اسکے خلاف گواہی نہ ہو اور معاملہ اس پر جائے تو یا تو وہ اعتراف کرے گا اور اگر انکار کرتا ہے تو اسکو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قسم کھا کر اس بات سے انکار کردے اور وہ بری ہوجائے گا۔اس سلسلے میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حاکم /قاضی مدعی کے گواہوں پر شبہ کرے تو دو مدعا علیہ سے قسم کیلئے کہے۔حدیث میں ہے کہ '' حدود میں شبہ بھی ہو تو سزا کو نافذ نہ کرو۔'' اگر ایسا نہ کیا جائے تو لوگ جانے کیا کیا مطالبے کرنے لگیں۔پھر تو ظاہر پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے پاس علم کا ذریعہ ہے یا تو اعترافِ گناہ، یا ثبوت بذریعہ گواہاں یا انکار پر قسم۔اب اگر دھوکا دیا تو اسکا حساب اللہ کے پاس ہوگا۔

****

حدیث نمبر۳۴: برائی سے روکنا ایمان کا تقاضا

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : مَنْ رأیٰ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ ، وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔

(رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا ''تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے ، پھر اگر اسے اسکی طاقت نہیں ہے تو اپنی زبان سے روکے ، پس اگر اسکی بھی اسے طاقت نہیں تو اپنے دل میں اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' (رواہ مسلم)

(اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اسکو صحیح کہا ہے)

شرح حدیث:

مسلم نے ایک اور روایت بیان کی ہے جس میں یہ تفصیل ہے کہ مروان (اُموی خلیفہ) نے عید کی نماز سے قبل خطبہ دینا شروع کیا تھا کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا پہلے نماز پھر خطبہ۔ مروان نے کہا اب اسکو متروک سمجھو اس پر ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ اس شخص نے حق ادا کر دیا اور پھر یہ حدیث بیان کی۔

مسلم نے ہی ایک اور حدیث روایت کی ہے جسکو عبداللہ بن مسعودؓ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مجھ سے پہلے کی امتوں میں بھیجا تو اس نبی کے اس امت میں کچھ لوگ ہوتے تھے جو نبی کے حواری کہلاتے تھے اور کچھ جو (ایمان لاتے) وہ صحابی ہوتے یہ لوگ نبی کی سنت کو سنتے محفوظ کرتے اور اسکے حکم کے مطابق پیروی کرتے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا کہ انکے بعد کے جانشین ایسے ہوتے کہ جو کہتے وہ کرتے نہیں اور جو کرتے اسکا ان کو حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ سو ایسے لوگوں کے ساتھ جو ہاتھ سے (طاقت سے) جہاد کرتا وہ مومن ہوتا اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرتا وہ مومن ہوتا اور جو ان سے دل میں برا سمجھ کر جہاد کرتا وہ مومن ہوتا (یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جو ان سے جہاد کرے) اور اسکے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا ہے۔''

اس عبارت کی تشریح میں عمر بن خطابؓ، علیؓ، عبادہ بن صامتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اقوال آئے ہیں۔

ا. ہاتھ سے منکر کا نکار یہ ہے کہ اس منکر کو طاقت سے ختم کر دیا جائے اور اسکی پہلی تعمیل تو حکمران پر ہے کہ انکے پاس اختیار ہے، طاقت ہے، دوسری ذمہ داری حکومت کی طرف سے متعین علماء اور مصلحین پر ہے اور تیسری ذمہ داری ان پر ہے جو منکر کو روک سکیں، خواہ اجتماعی طاقت سے، یا حکمرانوں کو مجبور کر کے یا عوامی دباؤ کو بنا کر۔

اسی طرح زبان سے انکار منکر یہ ہے کہ اس پر تنقید ہو۔ اس پر لکھا جائے، لوگوں کو بتایا جائے حکمرانوں کو توجہ دلائی جائے۔

۲. اس سلسلے میں ایک شرط یہ ہے کہ ایسا کرنے کی استطاعت ہو، جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریمؐ سے روایت کیا ہے کہ "کسی بھی قوم میں برائی پر عمل ہونے لگے اور ان میں کچھ ایسے ہوں جو اس منکر کو مٹانے پر قدرت رکھتے ہوں، پھر بھی نہ بدلیں تو بہت بڑا اندیشہ ہے کہ اللہ سب کو اس گناہ کی سزا میں پکڑ لیں۔" (ابوداؤد)

عدی بن عمیرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ "اللہ تعالیٰ سب کو اس وقت تک کچھ لوگوں کے گناہ کی سزا نہیں دیتا ہے جب تک کہ وہ اس منکر کو پھیلتے دیکھیں اور استطاعت کے باوجود اس پر نکیر نہ کریں۔ سو جب وہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خاص وعام دونوں شکار ہوتے ہیں۔"

ایک شخص انکار منکر کرے اور اس سلسلے میں اگر اسکو اذیت جھیلنا پڑے تو اس پر صبر کرے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ حکمران کے خلاف تلوار لے کر کھڑا ہو جائے۔ ابن شبرمہ نے کہا "امر بالمعروف اور نہی منکر جہاد کی طرح سے ہے کہ ایک دو کے برابر ہے۔ اس وقت تک وہ ڈٹا رہے لیکن تعداد زیادہ ہو تو پھر یہ کام اس پر واجب نہیں ہے۔"

ابوسعید کی ایک اور حدیث ہے کہ "بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا ہے۔"

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں۔ صحیح)

ابوثغلبہ خشنیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ اس آیت "تم اپنے آپکو بچاؤ، تم کو کسی کا گمراہ ہونا نقصان نہ دے گا، اگر تم ہدایت پا گئے۔"

(المائدۃ: ۱۰۵)

تو انہوں نے کہا تم نے اس سے سوال کیا جو صحیح جواب جانتا ہے۔ میں نے یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہے، معروف کا حکم دیتے رہو، منکر سے روکتے رہو۔ یہاں تک کہ تم دیکھو کہ کنجوس کی حکمرانی ہے، خواہشات کے پیچھے چلا جا رہا ہے اور دنیا کو ترجیح دیئے جا رہا ہے۔ اور ہر ایک شخص اپنی رائے پر فخر وغرور میں مبتلا ہو کر کچھ اور سننے کو تیار نہیں ہے تو ایسی حالت میں اپنی فکر کرو اور عوام کے معاملے سے دور رہو۔" (صحیح حدیث، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دیگر سے)

۳. "ورنہ کم سے کم دل سے برا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔" اس سے ثابت ہوا کہ منکر کو دل سے برا سمجھنا بھی ایمان کا حصّہ ہے۔

۴. منکر کے سلسلے میں یہ بات پہلے سے علم میں رہنی چاہئے کہ وہ شرعاً منکر ثابت ہو بلکہ ایسا منکر ہو جو سب علماء کے نزدیک منکر ہو، یہاں تک کہ اگر کسی نے اسکو منکر نہ مانا ہو اور مسئلہ اختلافی ہو تو انکار منکر میں اسکو شمار کرنا ضروری نہیں ہے۔

۵. امر بالمعروف کی ذمہ داری یا تو اللہ سے ثواب کی امید سے ادا کی جاتی ہے یا سزا کے خوف سے انجام دی جاتی ہے یا اللہ کے حرام کو توڑنے پر غصّے کے اظہار کیلئے انکار منکر کیا جاتا ہے یا مومنوں کی خیر خواہی کے جذبے سے یہ کام انجام دیا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کا جذبہ سامنے ہوتا ہے۔

۶. سفیان ثوری کہتے تھے کہ انکار منکر کا کام وہ انجام دے جس میں تین خصوصیات جمع ہوں (ا) حکم بھلے انداز سے، نرمی سے دے، روکنے

میں حکمت ونرمی کولازمی سمجھے(۲) حکم دینے میں اور روکنے میں انصاف کا پورا خیال رکھے (۳) اور جس بات کا حکم دے یا جس سے روکے تو علم کی بنیاد پر بات کرے(یعنی اسے علم ہو کہ حکم کیا ہے اور ممنوع کیا ہے پھر اسے علم ہو کہ واقعی کسی نے منکر کا ارتکاب کیا ہے ورنہ گمان سے یا سنے سنائے پر ایسا کرے گا تو ہوسکتا ہے کہ واقعہ ویسا نہ ہو جیسا اس نے سنا)

۷. یہ کیفیت دل میں غالب رہے کہ انکار منکر سے کسی کو۔۔۔کرنا نہیں ہے نہ اپنے آپ کو تکبر وغرور سے پیش کرنا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اصلاح ہو اور اللہ کا شکر گزار ہو کہ اسے یہ موقع ملا۔

۸. اگر خود یہ کام نہ کرسکے تو جو اسکے اہل ہو یا جو ذمہ دار ہوں انکو خبر دار کرے تا کہ وہ یہ کام کرسکیں مگر کسی کے خلاف تہمت لگا کر، یا چغلی لگا کر یہ کام کرے گا تو گناہ گار ہو گا۔

۹. یہ عمل اگر رک جائے گا تو معاشرہ میں نہ صرف معروف سے تعلق کمزور ہو گا بلکہ منکر پر عمل کرنے والوں کی ہمت بڑھے گی پھر وہ کھل کر دعوت دیں گے۔ پھر آگے چل کر معروف کو الٹا غلط بتائیں گے اور منکر کو معروف بنائیں گے، پھر وہ وقت آئے گا جب معروف پر عمل کرنے والوں کو روکا جائے گا، برا کہا جائے گا، جیسے آج ہو رہا ہے کہ اب کھلے عام برائی کو خوش نما بنایا جارہا ہے اور جو روکے وہ برا ہو رہا ہے۔

۱۰. قومِ لوط کے گناہ کرنے والوں کو جب روکا جاتا تو وہ کہتے اچھا یہ تو ہمارے علاقوں سے نکل جائیں یہ تو بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔ (نمل:۵۶)

آج بھی یہی مرحلہ ہمارے سامنے ہے اور اسکا علاج ہے منکر کو کھل کر منکر کہنا اور اسکو بدلنے کی کوشش کرنا اور اس سلسلے میں ایذا ملے تو اسکو صبر سے جھیلنا۔

****

حدیث نمبر ۳۵: مسلمانوں کے باہمی حقوق

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تعَالٰی عَنْهُ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: " لَا تَحَاسَدُوْا، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا یَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ، وَكُوْنُوْ عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُوالْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهُ وَ لَا یَخْذُلُهُ، وَلَا یَكْذِبُهُ وَ لَا یَحْقِرُهُ، التَّقْوٰی هٰهُنَا، وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، بِحَسْبِ اِمْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّاَنْ یَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلٰی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهٗ." (رواه المسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے مقابلے میں بھاؤ نہ بڑھاؤ، آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، ایک شخص دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسکو بے کسی کی حالت میں چھوڑے، نہ اس سے جھوٹ بولے، نہ اسے حقیر جانے۔" پھر آپؐ نے تین بار اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا" تقویٰ یہاں ہے، یہاں ہے، یہاں ہے۔ انسان کے برا ہونے کیلئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کیلئے مسلمان کا سب کچھ حرام ہے اس کا خون بھی، مال بھی اور آبرو بھی۔" (رواہ مسلم)

شرحِ حدیث:

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے، اسکے علاوہ یہ حدیث موطا میں ہے۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا" آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔"

۱. ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، انسان کا مزاج ہے کہ کوئی اس سے آگے نہ بڑھے، ایسا ہو تو بعض یہ چاہتے ہیں کہ اس سے وہ نعمت زائل ہو جائے، کچھ یہ چاہتے ہیں کہ اس سے نکلے بھی اور اس کو مل جائے، سب سے پہلا حسد شیطان نے کیا کہ آدمؑ کو یہ مقام کیوں ملا؟ اور مل گیا ہے تو کیسے اس سے یہ مقام چھینے۔ ابلیس نے نوحؑ سے کہا کہ ابن آدم کو بہکانے کے دو ہی راستے ہیں ایک حسد میں مبتلا کرنا اور دوسرا حرص و لالچ میں ڈالنا، کہ حسد سے میں لعنت کا نشانہ بنا اور لالچ کی وجہ سے آدمؑ کو جنت سے نکالا گیا۔

یہود اسی حسد کی وجہ سے اسلام کو قبول نہ کر سکے" کیا وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے انکو نوازا ہے۔ (نساء:۵۴)

ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" دیکھو حسد سے بچتے رہنا کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا لیتا

ہے جیسے آگ لکڑی یا گھاس کو کھالیتی ہے۔'' ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا''میری امت کو بھی امتوں کو لگنے والی بیماری لگے گی۔'' صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے نبی ﷺ یہ امتوں کی بیماری کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ **أَشِر** (ٹھٹھا لگانا) اور **بَطَر** (غرور)، زیادہ سے زیادہ کی ہوس، دنیا کے حصول میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینا، ایک دوسرے سے بغض کرنا، حسد کرنا، یہاں تک کہ بغاوت (بدنظمی) بڑھتے بڑھتے قتل وغارت گری کا ہونا۔'' (حاکم کی روایت، صحیح)

۲. حسد کی ایک قسم یہ ہے کہ حسد کا خیال آیا مگر اسکو جھٹک دیا، تو اس بات پر گناہ نہیں ہوگا کہ خیال آنے پر تو زور نہیں ہے مگر اسکے روکنے پر قدرت ہے۔

۳. ایک اور قسم ہے تو حسد کے نام سے ہی مگر اس میں دوسرے سے رشک ہے اور یہ خواہش تو ہے کہ یہ نعمت مجھے ملے مگر دوسرے سے زائل ہونے کی خواہش نہیں ہے، بس یہ کہ اگر دنیوی معاملے میں ہو تو بیکار ہے مگر اگر دین کے مسئلے پر ہو تو اچھی بات ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ'' حسد اگر کیا جا سکتا ہے تو صرف دو باتوں میں (۱) ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت سے نوازا ہو اور وہ اسکو دن رات ہر وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ (۲) اور ایک شخص وہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت دی ہو (قرآن یاد ہو) پھر وہ رات دن کے اوقات میں اسکو پڑھتا رہے'' یہاں حسد کا لفظ مجازاً ہوگا کیونکہ یہ تو اس سبقت کے اندر آئے گا جسکا قرآن میں حکم ہے کہ'' **سابقوا الی الخیرات** '' بھلائیوں کی طرف سبقت کرو۔

۴. '' ایک کی خریداری خراب کرنے کیلئے قیمت بڑھا کر نہ لگاؤ'' ایسا کرنے والا گناہگار ہے۔ ایسی خرید وفروخت ہو سکتا ہے شکل کے اعتبار سے صحیح ہو مگر اسکے پیچھے جو نیت ہے وہ گناہ کا سبب ضرور ہے۔ حدیث میں ہے کہ'' جس نے ہم کو دھوکا دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور مکر و دھوکے کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' (طبرانی، ابن حبان کی روایت)

جنگ میں تدبیر کے طور پر ایسی صورت اختیار کی جا سکتی ہے، دشمن دھوکا کھا جائے۔ حدیث میں ہے کہ'' جنگ نام ہے ایسی تدبیر کا جس سے دشمن دھوکا کھا جائے۔'' (احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی کی حدیث)

۵. '' آپس میں بغض نہ رکھو'' آپس میں محبت ہو نہ کہ بغض۔ آپؐ نے فرمایا '' تم کو اللہ کی قسم ہے، جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہو گے جب تک ایمان نہ لے آؤ، اور تم اس وقت تک مومن کا مقام نہ پاؤ گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس کے کرنے سے محبت کرنے لگو گے؟ آپس میں سلام کرو اور اسکو عام کرو۔'' (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، احمد، ابن ماجہ کی روایت)

شیطان کا مقصد ہے بغض پھیلانا۔ اور شریعت میں وہ چیزیں حرام کر دی گئی ہیں جو شیطان کے اس کام میں معاون ہیں۔

ارشاد باری ہے'' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کو ابھارے، شراب سے، جوئے سے کہ (پھر یہ چیزیں) تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے دور کر دیں گی تو کیا تم رک نہ جاؤ گے۔'' (مائدہ:۹۱)

انسانی کمزوری ہے کہ اختلاف ہو، بدگمانی ہو، دل میں خیالات بیٹھ جائیں مگر اسکو دور کرنا ضروری ہے اور یہ ذمہ داری ہے کہ دوسرے اصلاح

کریں، صلح کروائیں۔ ”اللہ سے ڈرو اور معاملات میں اصلاح کرواؤ۔“ (انفال:۱)

ابودرداءؓ کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”میں تم کو ایک ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جو نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی بڑھ کر ہے (نفل نماز روزے سے)“ صحابہ نے کہا کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول ﷺ۔ آپؐ نے فرمایا ”اگر کسی کی آپس میں رنجش ہو تو اصلاح کروا دو کہ آپس میں رنجش تو مونڈنے والی ہے (کہ نیکیوں کو مٹا دیتی ہے) (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان)

٦. ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ایک مسلمان اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ نہ چھوڑے کہ یہ دونوں میں مگر یہ اس سے منہ موڑ لے اور وہ اس سے۔ اور ان میں بہتر وہ ہے جو سلام کا آغاز کرے۔“

(صحیح۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد کی حدیث)

اسکا مطلب یہی ہے کہ اختلاف ہو بھی تو وہ دشمنی تک نہ جائے۔ قطع تعلق ہو بھی تو وقتی کہ پھر اصلاح نہ ہو سکے۔ ہاں اگر سبب دینی ہو تو پھر اسکی اجازت ہو جیسے امام احمد نے کہا کہ غزوہ تبوک میں تین پیچھے رہنے والوں سے ایک ماہ سے زیادہ تک بات نہیں کی گئی۔

٧. ”ایک کی فروخت چل رہی ہو تو تم بیچ میں آ کر اسی چیز کو لینے کی بات نہ کرو۔“ اسی حکم میں رشتے کا معاملہ آئے گا کہ ”کسی کے رشتے کا معاملہ چل رہا ہو تو ختم ہونے سے پہلے ہی دوسرا اپنا رشتہ لے کر نہ آئے۔“ (بخاری و مسلم کی روایت)

ایک اور روایت میں یہ لفظ ہے ”سوائے اسکے کہ وہ شخص اسکی اجازت دے دے۔“ (مسلم) یعنی اگر متعلقہ افراد کو اعتراض نہ ہو تو پھر اجازت ہے کہ شریعت نے اس لئے روکا ہے کہ ”نہ نقصان دو نہ اٹھاؤ“ یہ ٹکڑا بھی سابقہ بات کی مزید وضاحت کیلئے ہے کہ اخوت یہ ہے کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے سے بچا جائے۔

٨. ”اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔“ یعنی ایک طرف اللہ کی بندگی کرنی ہے اور اسکے حقوق ادا کرنے ہیں، اسی طرح ایمان اہل ایمان کو اسلامی اخوت میں باندھتا ہے۔ اب اس اخوت کو مضبوط کرنے والے کام کرنے ہیں اور اس کو نقصان پہنچانے والے کام نہیں کرنے ہیں۔ اس حدیث میں ایسے چند کام بتائے ہیں لیکن دوسری احادیث میں اور بھی بتائے گئے ہیں جیسے ایک طریقہ ہے کہ ”ایک دوسرے کو تحفہ دو تو محبت بڑھے گی۔“ (حسن۔ بخاری کی کتاب ”ادب مفرد“ میں)

عمر بن عبدالعزیزؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ مصافحہ کرو، اس سے دل کا کھوٹ صاف ہوتا ہے۔

(اسے مالک نے روایت کیا ہے مگر کمزور سند ہے)

٩. ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے سو اس پر ظلم نہ کرے، نہ اسکو رسوا کرے (یا ہونے دے) نہ اسکو جھوٹا بنائے نہ اس کو حقیر جانے۔“

قرآن مجید میں ہے کہ ”بے شک مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں میں صلح کروا دو (انکی اصلاح کرو) (حجرات:۱۰)

اسکا مطلب ہے کہ آپس میں نفرت کے اسباب سے دور رہیں کہ ایک بھائی اپنے بھائی سے فائدہ کی توقع رکھتا ہے نہ کہ نقصان کی۔

ایک حدیث میں ہے کہ ”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“ صحابہ نے پوچھا کہ مظلوم کی مدد تو ہونی چاہئے مگر جب وہ ظالم ہو تو

پھر اسکی مدد کیوں کر ہوسکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا'' تم اسکو اسکے ظلم سے روک دو تو یہ بھی اسکی مدد ہوگی۔'' (بخاری)

مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا'' کوئی مسلمان دوسرے کو بے عزت ہوتے دیکھے اور وہ اسکی مدد کرسکتا ہو مگر اسے رسوا ہونے دے تو اللہ تعالیٰ اسکو رسوا کرے گا جبکہ وہاں اسے مدد کی امید ہو۔ اور کوئی شخص کسی بھائی کو بے عزت ہونے سے بچائے تو اللہ تعالیٰ اسکو اس وقت نصرت دے گا جب اسے ضرورت ہوگی۔''

امام احمد کی روایت ہے کہ'' خیانت کا بڑا درجہ یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک بات کہو کہ وہ تو مجھے کہ تم سچے ہو جبکہ تم اسکو جھوٹ بات بتا رہے ہو'' (دیگر کتابوں کی روایت، ضعیف سند ہے)

تکبر کی تعریف بتاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا'' تکبر حق کے مقابلے میں اکڑ جانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔'' (مسلم) سورۃ حجرات کی آیت ۱۱ میں بھی ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کو برا کہا ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا'' جنت اور دوزخ میں آپس میں مقابلہ ہوا تو جہنم نے کہا کہ تکبر کرنے والے، طاقت و جبروت والوں کا ٹھکانا میں ہوں۔ جنت نے کہا کہ میرے یہاں آنے والے تو وہ ہیں جو کمزور ہیں، بے اعتبار سمجھے جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے کہا کہ تو میری رحمت کی علامت ہے۔ تیرے ذریعہ میں جن بندوں پر

رحم کرنا چاہتا ہوں رحم کرتا ہوں، (اور جنت میں داخل کرتا ہوں) اور اے جہنم تو میرے عذاب کی علامت ہے کہ جن بندوں کو مجھے عذاب دینا ہے تیرے ذریعے سے دیتا ہوں۔

بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص آپ کے سامنے سے گزرا تو آپؐ نے ساتھ میں بیٹھے ہوئے صحابہ سے پوچھا کہ'' تمہاری اسکے بارے میں کیا رائے ہے؟'' ایک شخص نے کہا'' خدا کی قسم! یہ تو اس مقام کا آدمی ہے کہ کہیں بھی رشتے کا پیغام دے تو اس سے رشتے پر فخر کریں، اور اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اسکی بات مانی جائے اور اگر وہ بات کرے تو سب (خاموش ہوکر) سنیں۔'' اس پر آپؐ خاموش رہے (تھوڑی دیر بعد) ایک اور شخص کا گزر ہوا آپؐ نے پوچھا'' اچھا اسکے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' معزز طبقے کے ایک شخص نے کہا کہ'' یہ تو غریب مسلمان ہے اسکو کوئی رشتہ تک نہ دے گا، نہ اسکی کوئی بات سنے گا، نہ اسکی سفارش قبول کی جائے گی۔'' اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' (مگر) زمین میں جو بھی ہیں یہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ (یعنی اللہ کی نظر میں) اسکا وہ مقام ہے جو پہلے کا نہیں ہے۔'' اسی طرح سے آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ'' تمہارے مال، تمہاری جانیں، تمہاری عزت تم ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے آج کا دن، آج کے مہینے میں (ذوالحجۃ) اس شہر میں (مکہ مکرمہ، حرم) '' (بخاری و مسلم، ابوداؤد)

اسلامی حکومت کو بھی کسی کی جان لینے، سزا دینے، جرمانہ کرنے کا حق اسی وقت ہے جب اللہ کی حدود توڑی گئی ہوں اور باقاعدہ عدالت سے انصاف کے ساتھ مقدمہ ہوا ہو اور فیصلہ سنا دیا گیا ہو۔ صرف اندازوں سے، سنی سنائی باتوں سے، ناراضگی سے طے کرنے سے کیا گیا فیصلہ غلط ہوگا۔ یہ تک کہا گیا ہے کہ'' اگر تم تین ایک ساتھ ہو تو دو آپس میں سرگوشی نہ کرو کہ تیسرے کو تکلیف ہوگی۔'' (مسلم)

اسی لئے غیبت، بہتان تراشی، بدگمانی سے روکا گیا اور چغلی لگانے سے روکا گیا۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہے؟ آپؐ نے کہا" اپنے بھائی کا ایسے ذکر کہ (وہ سنے تو) اسکو برا لگے۔" سوال ہوا کہ اگر اس میں وہ بات ہے جسکا میں (اسکی غیر موجودگی میں) ذکر کر رہا ہوں تو پھر بھی (یہ غیبت ہے) آپؐ نے فرمایا" اگر تم نے وہی بات کہی جو اس میں ہے تو تو یہ غیبت ہے۔ لیکن اگر وہ بات کہی جو اسمیں نہیں ہے تب تو (غیبت سے بھی بڑھ کر) یہ بہتان ہے۔" (مسلم)

آپؐ نے فرمایا کہ" مومنین کی آپس میں محبت، باہمی رحم اور ہمدردی میں مثال ایسے جسم کی طرح ہے کہ اگر ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارا بدن بخار اور بے آرامی میں شریک ہوتا ہے۔" (بخاری و مسلم) ابوموسیٰ کی حدیث میں الفاظ ہیں کہ" مومن ایک دوسرے کیلئے ایسی عمارت کی طرح ہیں کہ اسکا ہر حصہ دوسرے سے جڑ کر تقویت کا سبب بنتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ" مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے، مومن اپنے بھائی کی جائیداد کو بچانے والا ہوتا ہے اور اس کیلئے حفاظت اور اسکی حمایت کا سبب ہوتا ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی، صحیح)

اس تعلق کے ساتھ حق کا ساتھ بھی دینا ہے کہ حق افراد سے بڑھ کر ہے اسی لئے معصیت پر مبنی تعاون غلط ہے، گناہ پر ساتھ دینا غلط ہے۔

****

حدیث نمبر ۳۶: خدمتِ خلق اور حصول علم

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِیْ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهِ فِی عَوْنِ الْعَبْدِمَا کَانَ الْعَبْدِ فِی عَوْنِ أَخِیْهِ وَ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَدَارَسُوْنَهُ بَیْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ، وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَبِهِ عَمَلُهُ لَمْ یُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ." (رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے کسی مومن کی دنیاوی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کردی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی پریشانیوں میں سے اسکی ایک پریشانی دور فرمادیں گے اور جس نے کسی تنگ دست کیلئے آسانی پیدا کر دی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسکی پردہ پوشی فرمائیں گے۔" فرمایا "اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اور جو علم دین کی جستجو میں کسی راستہ پر چلا، اللہ تعالیٰ جنت کے راستہ کو اس کیلئے آسان کردیں گے اور جو گروہ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے اور ایک دوسرے کو اس کا درس دیتا ہے سو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے گروہ پر سکینت نازل کرتا ہے، رحمت حق ان پر سایہ فگن ہوتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے درباریوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے اور جس کا عمل اسے بلند مرتبہ تک پہنچانے میں تاخیر کرے اس کا نسب اسے بلند مرتبہ تک لے جانے میں جلدی نہیں کرتا۔" (مسلم)
اس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی بغوی، ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح حدیث:

اس مضمون سے ملتی جلتی اور احادیث بھی ہیں جن کو بخاری، مسلم، طبرانی، احمد، ترمذی، ابن ابی الدنیا نے مختلف صحابہ سے روایت کیا ہے، اسی طرح ایک حدیث میں ہے۔ "اللہ تعالیٰ انہیں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں کے کام آتے ہیں۔" (بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد، نسائی)
بیہقی کی حضرت انسؓ سے ایک روایت ہے کہ "جنت میں داخل ہونے والا ایک شخص جہنم کو دیکھنے میں لگا ہوگا کہ اس کو جہنمیوں میں سے ایک شخص پکارے گا کہ اے فلاں! تم مجھے پہچانے؟ وہ جنتی کہے گا نہیں! تم ہو کون؟ وہ کہے گا کہ دنیا میں ایک بار میرے سامنے سے گزر رہا تھا اور تجھے پیاس لگی تھی تو میں نے تجھ کو پانی پلایا تھا، وہ کہے گا کہ ہاں مجھے یاد آ گیا، تو وہ شخص کہے گا کہ تم ہی جا کر اپنے رب سے میری سفارش کردو، تو وہ شخص اللہ سے کہے گا اے اللہ! مجھے اسکی سفارش کی اجازت دے دیجئے، اللہ تعالیٰ اسکو کہے گا جاؤ اجازت ہے اور اس طرح سے وہ جہنم سے نکال لیا جائے گا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس سے سوال ہوا (ممکن ہے خواب میں) اللہ نے تمہاری معافی کیسے کر دی؟ اس نے کہا میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا تو جو شخص خوش حال ہوتا تو اسکے ساتھ تو صاف معاملہ کرتا مگر جو تنگ حال ہوتا اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا۔'' (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جس نے مالی تنگی والے کو مہلت دی یا اسکا قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسکو اس دن سایہ میں رکھے گا، جب اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔'' (مسلم، احمد)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جس نے اپنے مسلم بھائی کی راز کی بات (جسکے سامنے آنے سے شرمندگی ہو) چھپائی، اللہ تعالیٰ اسکی ستر پوشی قیامت کے دن کرے گا اور جس نے اپنے بھائی کے (عیب یا راز کو) کھول دیا تو اللہ اسکی بے عزتی ہونے دے گا اور وہ گھر کے اندر رہ کر بھی رسوا ہو جائے گا۔'' (ابن ماجہ، مسلم وغیرہ۔ صحیح)

١. راز کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایماندار ہے، نیک ہے، مگر اس سے کوئی لغزش ہوگئی اور ایسا اسکا طریقہ نہیں ہے، یا اس میں ایسا عیب ہے جو چھپا رہے تو بہتر ہے، کہ قرآن میں ہے ''وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فحش باتیں پھیلیں تو ایسے لوگوں کیلئے دنیا و آخرت دونوں جگہ دردناک عذاب ہے۔'' (نور:١٩) یہ بات بہتان بھی ہوسکتی ہے جیسے حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ شخص ایسا ہو جسکا ایک مقام ہو۔ اس لئے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسکو اچھالنا مناسب نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ '' اہم مقام رکھنے والوں کی لغزشوں سے درگزر کرو۔'' (ابوداؤد، نسائی، احمد) ایک روایت میں ہے کہ ''ہاں اگر حدود کا معاملہ ہو تو تب نہیں۔''

٢. ایک قسم ایسے لوگوں کی ہوسکتی ہے جو کھلے عام معصیت کرتے ہوں تو ایسے لوگوں کی بات کرنا، دوسروں کو کہنے میں حرج نہیں ہے۔

٣. ایک اور قسم ایسے لوگوں کی ہوسکتی ہے جو شر پسند ہوں تو ایسے لوگوں کے شر سے بچانا بھی ضروری ہے۔

''جس نے وہ راستہ چنا جو علم کی طرف جاتا ہے۔'' اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کیلئے سفر کرے۔ علماء کی مجلس میں جائے، شریک ہو، اور یہ بھی کہ علم حاصل کرنے کیلئے محنت کرے، یاد کرے، یاد رکھے، علمی مذاکرے میں شریک ہو، مطالعہ کرتا رہے، علم کی باتوں کو لکھے، نوٹ بنائے، تصنیف و تالیف کا کام کرے، اور علمی مسائل میں وقت لگائے غور و فکر کرے اور یوں کہئے کہ علم اسکے اندر اتر جائے اور اسکے مزاج کا حصہ بن جائے۔

''اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان کر دے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ علم کے حصول کو آسان بنا دے گا اور علم کے ذریعے سے جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا اور دوسرے علم اسکو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے راستے بتائے گا اور اس طرح سے وہ وہ عمل کرے گا جس سے جنت مل سکے گی۔

ایک قول ہے کہ جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اسکو وہ علم بھی دیتا ہے، جس کا اسے علم نہ تھا۔'' اور ایک قول ہے کہ '' نیکی کا ایک ثواب یہ ہے کہ پھر سے نیکی کا موقع ملے۔''

قرآن میں ہے کہ ’’ جو ہدایت پا جاتے ہیں اللہ تعالیٰ انکو ہدایت میں اور بڑھا دیتا ہے۔‘‘ (مریم:۷۶)

اس حدیث سے یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ جنت کیلئے کئی راستے ہو سکتے ہیں اور ہیں مگر سب سے آسان اور یقینی علم کا راستہ ہے، علم سے جنت کا حصول ایک قیمتی مقصد ہے، مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ علم دنیا میں فائدہ نہ دے گا۔ یقیناً اسکے دنیاوی فائدے بھی ہیں بلکہ اسلام میں تو علم کی یہ تقسیم نہیں ہے کہ یہ دنیوی علم ہے اور یہ اخروی علم۔ علم تو اللہ کی طرف سے ہے۔ ہاں اس میں درجات ہیں، مراتب ہیں کہ پہلے وہ علم ہو جس سے انسان اللہ سے جڑے، اپنی کامیابی کو یقینی بنائے پھر وہ علوم ہیں جو انسان کی ضرورت ہیں اور پھر وہ علم ہیں جو انسان کی صلاحیتوں کو ابھارتے ہیں ان میں صرف یہ ہوگا کہ ان کے شر سے دور رہیں اور خیر کے حصےّ کو لیں جسکو علم نافع اور علم صالح کہتے ہیں، دوسرے اس میں نیت اللہ کو خوش کرنے کی ہو اس طرح ہر علم عبادت بن جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ علماء کی حیثیت زمین میں ایسی ہی ہے جیسے آسمان میں ستارے ہیں کہ ان سے خشکی میں، سمندر میں، اندھیروں میں راستہ معلوم ہوتا ہے، اگر ستارے ماند ہو جائیں تو راستہ ہی نہ ملے۔ ’’سو جب تک علم زمین میں باقی ہے لوگ راستہ پاتے رہیں گے۔‘‘ (مسند احمد، انسؓ سے، حدیث ضعیف)

ایک اور حدیث عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا ’’ اللہ تعالیٰ (جب علم دیتا ہے تو) علم کو لوگوں کے سینے سے نکال کر ختم نہیں کرتا ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اہل علم دنیا سے رخصت ہوتے جاتے ہیں (اور انکی جگہ دوسرے علماء نہیں تیار ہوتے ہیں) پس جب عالم نہیں ہوتے ہیں تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیتے ہیں، ان سے سوال ہوتا ہے اور وہ بغیر علم کے مسئلہ بتاتے ہیں (رہنمائی کرتے ہیں) تو خود بھی بھٹکے ہوتے ہیں دوسروں کو بھی بھٹکاتے ہیں۔‘‘ (بخاری و مسلم) آپؐ کے سامنے ایک سوال ہوا کہ علم کیسے اٹھا لیا جائے گا جبکہ ہم خود قرآن پڑھتے ہیں، اپنی عورتوں، بچوں کو پڑھاتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ’’یہود اور نصاریٰ کے پاس تورات اور انجیل ہے کہ نہیں؟ مگر اسکے ہوتے بھی انکو کیا مل رہا ہے؟ (یعنی صرف کتاب کا ہونا کافی ہوتا تو وہ تو انکے پاس ہے مگر جب اسکی روح نکل گئی اور عمل کرنے سے اسکا تعلق نہ رہا تو ہدایت بھی نہ رہی)

عبادہ بن صامت نے کہا کہ ’’علم کے اٹھائے جانے کی طرف پہلا قدم خشوع کا اٹھ جانا ہے۔‘‘

ایک حدیث میں ہے کہ ’’تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سیکھائے۔‘‘ (بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، عثمان بن عفان سے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ’’ کچھ لوگ جب بھی اللہ کے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کریں اور اسکی درس و تدریس میں مصروف ہوں تو ان پر سکینت اترتی ہے اور رحمت انکو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انکو گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے ہم جلسوں سے انکا تذکرہ کرتا ہے۔‘‘ اس حدیث کے ٹکڑے میں تلاوت قرآن کی فضیلت بھی ہے اور علوم قرآن سیکھنے سیکھانے کی فضیلت بھی ہے۔

ایک حدیث میں صبح کی نماز کے بعد ایسے حلقوں کی مزید فضیلت ہے۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ’’ایسے لوگ جو صبح کی نماز مسجد میں ادا کر کے وہیں رک جائیں اور اللہ کی کتاب کو تھامیں اور اس پر دروس ہوں، تو ان کیلئے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو استغفار کرتے رہنے کا پابند کر دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ کسی اور گفتگو میں مشغول ہوں۔‘‘ اسی لئے صحابہ اور تابعین کا معمول تھا کہ وہ صبح فجر کے بعد ایسے حلقے بنا کر قرآن کا مطالعہ کرتے تھے۔

امام مالک نے اگرچہ اس عمل کو پسند نہیں کیا ہے، انکی رائے ہے کہ ایسا انفرادی طور پر ہو۔ مگر احادیث سے دونوں طرح سے قرآن کے بارے میں مذاکرے اور حلقوں کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے، ابو ہریرہؓ آپؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے متعین ہیں کو راستوں میں آتے جاتے رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پس جب وہ ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو ذکر میں لگے ہوتے ہیں تو وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہتے ہیں کہ یہاں آؤ یہاں تمہارے مطلب کی بات ہو رہی ہے، پھر وہ انکو اپنے پروں سے ایسے ڈھانپتے ہیں کہ آسمان تک انکا گھیرا ہوتا ہے، پھر ان سے انکا رب دریافت کرتا ہے، حالانکہ وہ تو خود ہی یہ سب جانتا ہے، کہ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ تو وہ کہتے ہیں تیری تسبیح، تیری تکبیر، تیری حمد، تیری بزرگی بیان کر رہے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اچھا اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر وہ کیا کریں گے؟ وہ کہیں گے وہ آپ کو دیکھ لیں تو پھر تو اور بھی بڑھ کر عبادت کریں گے۔ اور زیادہ حمد، تمجید کریں گے اور زیادہ تسبیح بیان کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے۔ وہ کہیں گے کہ وہ جنت کے طلبگار تھے

اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا انہوں نے جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ وہ کہیں گے کہ بالکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اچھا اگر اسے دیکھ لیں تو کیا ہوگا؟ وہ کہیں گے کہ اگر وہ اسکو دیکھ لیں تو پھر انکی خواہش اور زیادہ ہوگی اور وہ اور بھی شدت سے اسکی طلب میں لگ جائیں گے اور انکی رغبت تو بے پناہ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ وہ کہیں گے کہ وہ جہنم کی آگ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اگر وہ اسکو دیکھ لیں تو کیا ہوگا؟ وہ کہیں گے کہ اگر وہ اسکو دیکھ لیں تو ان سے بڑھ کر اس سے بھاگنے والا اور اس سے زیادہ ڈرنے والا کوئی نہ ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ کہے گا میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں انکو معاف کر رہا ہوں یہ سن کر ایک فرشتہ کہے گا (مگر) اس مجلس میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو آیا تو کسی اور کام سے تھا مگر انکے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ یہ تو ایسی مجلس کے لوگ ہیں کہ جو انکے ساتھ (ویسے ہی) بیٹھ جائے وہ بھی محروم نہیں رہے گا۔'' (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی)

ایسی مجلس جس میں اللہ کا ذکر ہو، اللہ کی کتاب کی تلاوت ہو، اللہ کی کتاب کے معانی اور احکام پر غور ہو، اسکے شریک ہونے والے کو ۴ فائدوں کی خبر احادیث میں ملتی ہے۔ (۱) سکینت، دل کا اطمینان، دل میں ایک مسرت ملتی ہے۔ (۲) رحمت انکو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ (اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔ اعراف: ۵۶) (۳) فرشتے انکو گھیرے میں لے کر ان سے محبت اور انکی تکریم کا اظہار کرتے ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ انکا ذکر اپنی مجلس میں موجود فرشتوں سے کرتا ہے۔

مسلم کی ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ کی روایت میں یہ چاروں باتیں ایک ساتھ ذکر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کو ۴ باتیں ملتی ہیں۔ (۱) ان پر سکینت اترتی ہے (۲) رحمت ان پر چھا جاتی ہے (۳) ملائکہ ان کو پروں میں چھپا لیتے ہیں (۴) اور اپنے قریب میں بیٹھنے والوں سے اللہ تعالیٰ انکا ذکر کرتا ہے۔

''اور جسکا عمل اسکو پیچھے کر دے تو اسکا نسب اسکو آگے نہ کر سکے گا'' انسان کا عمل ہوگا جس سے وہ کامیاب ہوگا پھر جتنا اچھا اور زیادہ عمل ہوگا اتنا ہی مرتبہ بلند ہوگا۔ دنیاوی رتبے خاندان سے، مال و دولت سے اونچے ہو سکتے ہیں مگر آخرت کا معیار صرف عمل پر طے ہوگا۔ ''ہر ایک کیلئے ویسے ہی درجات ہیں جیسا اسکا عمل ہوگا۔'' (انعام:۱۳۲) اور ''جب صور پھونک دیا گیا پھر نہ تو ان میں نسب کا کوئی مقام ہوگا نہ وہ کوئی بات پوچھ سکیں گے۔'' (مؤمنون:۱۰۱)

بخاری و مسلم کی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے جب یہ آیت اتری کہ ''اپنے خاندان کے قریب ترین کو آگاہ کر دیجئے'' (الشعراء:۲۱۴) تو آپؐ نے قریش کو (جمع کر کے کہا) ''اے خاندان قریش اللہ سے اپنی جان کا سودا کر لو، میں تمہارے کوئی کام نہ آسکوں گا اگر اللہ نہ چاہے گا اور اے بنی عبد المطلب میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے کچھ نہ کر سکوں گا، اے (میرے چچا) عباس بن عبد المطلب مجھ سے اللہ کو چھوڑ کر توقع نہ رکھئے گا، اے (میری پھوپی) صفیہ میں آپکو فائدہ پہنچانا بھی چاہوں تو اللہ کی مرضی کے بغیر نہ پہنچا سکوں گا، اے محمد کی بیٹی فاطمہ مجھ سے جو چاہو (دنیاوی) مانگ لو (اور میں دے سکا تو ضرور دوں گا) مگر اللہ کے سامنے میں کچھ کام نہ آسکوں گا۔''

(احمد، ترمذی اور دیگر سے بھی روایت ہے)

ایک حدیث میں آپؐ نے یہ بات ایک اور طرح سے صاف کی ہے کہ (لوگ کہتے ہیں کہ) فلاں میرے خاندان سے ہیں اور میری آل سے ہیں

مگر فلاں کے خاندان والے میری آل میں نہیں ہیں، میری آل میں تو بس وہ ہیں جو نیک و صالح مومن ہیں اور میرا ولی اللہ ہے۔''

اسکا مطلب یہی ہے کہ نسب بہت قیمتی ہے مگر ایمان کے ساتھ اور اگر ایک شخص آپکے خاندان کا نہ ہو مگر مومن ہو، متقی ہو تو وہ آپ کی آل میں شمار ہوگا، چاہے خونی رشتے سے خاندان میں نہ ہو۔

****

حدیث نمبر ۳۷: نیکی اور بدی کا ارادہ

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیهِ عَنْ رَبِّهٖ تَبَارَكَ و تَعَالٰی قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّیِّئَاتِ ، ثُمَّ بَیَّنَ ذٰلِک، فَمَنْ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً ، وَاِنْ ھَمَّ بِھَا فَعَمِلَھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ عِنْدَہٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ اِلٰی أَضْعَافٍ کَثِیْرَۃٍ وَ اِنْ ھَمَّ بِسَیِّئَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً وَاِنْ ھَمَّ بِھَا فَعَمِلَھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ سَیِّئَۃً وَاحِدَۃً" (رواہ البخاری و المسلم فی صحیحیھما بھذہ الحروف)

فَانْظُرْ یَا أَخِی وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَ اِیَّاكَ اِلٰی عَظِیمِ لُطْفِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ تَامَّلْ ھٰذِہِ الْاَلْفَاظَ ، وَقَوْلُهٗ "عِنْدَہٗ" اَشَارَۃٌ اِلٰی الاِعْتِنَاءِ بِھَا وَقَوْلُهٗ "کَامِلَۃً" لِلتَّاکِیْدِ وَشِدَّۃِ الْاِعْتِنَاءِ بِھَا ، وَقَالَ فِیْ السَّیِّئَۃِ الَّتِیْ ھَمَّ بِھَا ثُمَّ تَرَکَھَا "کَتَبَھَا اللّٰہُ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً" فَاَکَّدَھَا بِکَامِلَۃً ، "وَاِنْ عَمِلَھَا کَتَبَھَا وَاحِدَۃً فَأَکَّدَ تَقْلِیْلَھَا بِوَاحِدَۃً وَلَمْ یُؤَکِّدْھَا بِکَامِلَۃً فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ سُبْحَانَہٗ لَا نُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْهِ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رب العزت الجلال سے براہ راست روایت کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں"اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کولکھ دیا ہے پھراسے خوب بیان بھی کر دیا ہے، لہٰذا جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور پھر اسکو نہ کیا تو بھی اللہ تعالیٰ اپنے یہاں پوری ایک نیکی اسکے نامۂ اعمال میں لکھا دیتے ہیں اور جس نے نیکی کے ارادے کے ساتھ ساتھ وہ نیکی کر بھی لی تو اللہ تعالیٰ اپنے یہاں اسکے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں اسکے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں اور اگر کسی نے برائی کا ارادہ کیا اور پھر اسکا ارتکاب نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں اپنے یہاں ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور اگر برائی کا ارادہ کر کے وہ برائی کر بھی لی تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں صرف ایک گناہ لکھ دیتے ہیں۔" (بخاری و مسلم کی روایت)

شرح حدیث:

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے ابو عثمانؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت کے اندر ایک جملہ اور بھی ہے کہ اللہ اسکو مٹا بھی سکتا ہے۔" اور اللہ کی طرف سے تو بچانے کا سامان ہے سوائے اسکے کہ کوئی خود ہی ہلاکت کا سامان کرے۔" اسی حدیث کو ابو ہریرہؓ نے بھی روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب میرا بندہ برائی کرنے کا ارادہ کرے تو (اے فرشتو!) تم اسکو اس وقت تک نہ لکھو جب تک وہ عمل نہ کرے، اور بس ایک برائی لکھو۔ اور اگر میری خاطر اسکو چھوڑ دے تو اس پر اسکے نام سے ایک نیکی لکھ دو۔ جبکہ وہ صرف نیکی کا ارادہ کرے چاہے عمل نہ کرے تب بھی اس کیلئے ایک نیکی لکھو اور اگر عمل کر لے تو پھر تو ۱۰ گنا سے لے کر ۷۰۰ گنا تک لکھو۔" (بخاری، مسلم، ترمذی کی روایت)

یہ الفاظ بخاری کے ہیں جبکہ مسلم کے الفاظ یہ ہیں ”جب میرے بندے نے اپنے آپ سے بات کی کہ وہ ایک نیکی کرے گا تو میں اس کیلئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں چاہے وہ عمل نہ کرے، اور جب وہ عمل کرے تو ۱۰ گنا لکھتا ہوں۔ اور جب وہ برائی کا دل میں سوچے تو میں اسکو معاف کر دیتا ہوں اگر اس پر عمل نہ کرے۔ اور اگر عمل کرے تو بس ایک برائی لکھتا ہوں۔“ اور رسول اللہ ﷺ نے کہا” فرشتے کہتے ہیں، اے اللہ! دیکھئے آپ کا وہ بندہ برائی کرنے کا سوچ رہا ہے، اللہ تو خود اس سے واقف ہے، اللہ کہے گا اسکو نظر میں رکھو اگر عمل کر لے تو ایک برائی لکھ لینا اور اگر نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لینا کہ وہ میری خاطر چھوڑ رہا ہے۔“

ان احادیث سے اور اس معنی میں آئی اور احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اچھائی اور برائی کو لکھا جاتا ہے اور برائی، اچھائی کے ارادے کو بھی۔ اور اسطرح یہ ۴ قسمیں ہوئیں۔

۱. <u>پہلی قسم:</u> نیکیاں ۱۰ گنا سے شروع ہوتی ہیں اور ۷۰۰ گنا تک بھی ہو سکتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہیں۔ قرآن میں ہے کہ ”جو نیکی کے ساتھ آئے گا اسکو دس گنا ملے گا۔“ (انعام:۱۶۰) اور زیادہ کی مثال قرآن کی اس آیت میں ہے۔” وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، انکی مثال ایسی ہے کہ ایک دانے سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں ۱۰۰ دانے ہیں اور اللہ جس کیلئے چاہتا ہے بڑھاتا جاتا ہے اور اللہ وسعت والا اور بہت ہی علم والا ہے۔“ (بقرہ:۲۶۱)

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے کہا” اے رب! میری امت کیلئے اور زیادہ کر دیجئے۔ اس پر آیت اتری ”جو بھی اللہ کو قرض حسنہ دے گا تو اس کیلئے بڑھاتا ہی جائے گا۔“ (بقرہ:۲۴۵) اے رب! میری امت کیلئے اور بڑھا دیجئے اس پر یہ آیت اتری ”صابروں کیلئے تو جو حساب بڑھا کر دیا جائے گا اسکا کوئی حساب نہیں ہے۔“ (زمر:۱۰)

(ابن حبان، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی کی روایت ہے)

ترمذی کی ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ”جو بازار جائے اور وہاں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، يُحْيِىٖ وَ يُمِيْتُ، وَهُوَ حَیٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الخَيْرُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے وہ تنہا معبود ہے۔ بادشاہت بس اسی کیلئے ہے، وہی زندگی دیتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے، اور وہ زندہ ہے، اس کیلئے موت نہیں ہے۔ خیر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر بات کی قدرت رکھتا ہے) (یہ کہنے پر) اللہ اس کیلئے ایک لاکھ نیکی لکھے گا اور ایک لاکھ برائیاں مٹا دی جائیں گی اور اسکا ایک لاکھ درجے تک مقام بلند کر دیا جائے گا۔“ (ترمذی کے ساتھ ابن ماجہ، دارمی، حاکم اور طبرانی کی بھی روایت ہے)

۲. <u>دوسری قسم:</u> برائی اگر کر لی تب اس پر صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قرآن میں ہے کہ” اور جس نے برائی کی تو بس اسکے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا اور انکے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ (انعام:۱۶۰)

(الف) ایک جگہ کی عظمت کے لحاظ سے ایک وقت یا مہینے کی حرمت کی وجہ سے گناہ کی کمی شدت بڑھ جاتی ہے، جیسے اللہ نے کہا کہ ۱۲ مہینے میں سے ۴ حرام مہینے ہیں سو” تم ان مہینوں میں زیادتی نہ کرو۔“ (توبہ:۳۶)

قتادہؓ کہتے ہیں ''یہ بات جان لو کہ حرام مہینوں میں ظلم بہت بڑی غلطی اور گناہ ہے۔'' بلکہ یہاں تک ہے کہ حرام شہر (مکہ مکرمہ) کیلئے کہا گیا کہ وہاں پر اللہ کی نافرمانی کے ساتھ ظلم کے ارادے پر بھی عذاب ہے۔'' اور جو اس میں (مکہ میں) دین سے کٹتے ہوئے ظلم کا ارادہ کرے گا تو ہم اسکو دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔'' (حج:۲۵)

اس لئے بعض صحابہ اور تابعین حرم میں مستقل رہنے میں احتیاط کرتے تھے۔ عمر بن خطابؓ کہتے تھے کہ میں کہیں اور ۷۰ گناہ کرلوں یہ بات میرے لئے ہلکی ہے اس سے کہ میں مکہ میں ایک بھی غلطی کروں۔ ابن جریج کہتے تھے ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ مکہ میں گناہ کو ۱۰۰ گنا مانا جائے گا اور نیکی کا بھی وہاں آغاز ۱۰۰ گنا سے ہوگا۔

(ب) دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک برائی کی اور اسکو دیکھ کر دوسرے نے برائی کی تو پھر پہلے کے ذمے بھی یہ راستہ کھولنے کا گناہ ملے گا اور جتنا یہ سلسلہ آگے جائے گا پچھلے کے اعمال نامے میں ہر بار اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس سلسلے میں حدیث بھی ہے اور بڑی واضح ہے۔

۳. <u>تیسری قسم: نیکی کا ارادہ:</u> ارادے پر تو نہ حساب ہے نہ اجر، مگر نیکی کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ نیکی کے صرف ارادہ کرنے پر بھی نیکی لکھ دی جائے گی۔ ابو درداءؓ کا قول ہے کہ'' جو بستر پر لیٹنے جارہا ہو اور اس وقت اسکی نیت ہو کہ وہ رات میں اٹھے گا اور تہجد کی نماز پڑھے گا، مگر اسکی آنکھ صبح جاکر کھلی۔ تو اس کیلئے نیت پر ہی عمل لکھ دیا جائے گا۔'' یہ موقوف حدیث ہے۔ گرچہ بعض ایسی احادیث ہیں جو اس معنی میں ہیں اور صحیح ہیں جیسے عائشہؓ کی حدیث مالک، احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی سے۔

ایک حدیث میں ہے کہ'' دنیا میں ۴ طرح کے لوگ ہیں (۱) ایک شخص ہے جس کے پاس علم ہے اور مال بھی ہے تو وہ اللہ سے تقویٰ اختیار کرتے ہوئے صلہ رحمی کرتا ہے، اور جو اللہ کا حق ہے اسکو ادا کرتا ہے۔ ایسا شخص تو بہت ہی بلند مرتبے پر ہے۔ (۲) دوسرا شخص وہ ہے جس کے پاس علم تو ہے مگر مال نہیں ہے مگر اسکی نیت صحیح ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس اچھے آدمی جیسے کام کرتا۔ تو نیت میں یہ دونوں ایک درجے پر ہیں۔ (۳) تیسرا شخص وہ ہے جسکے پاس مال تو ہے مگر علم نہیں ہے سو وہ بغیر علم کے مال کو جیسے بھی سمجھ میں آتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اللہ کا اسے خوف ہوتا نہیں ہے، اس لئے اس مال کو صلہ رحمی میں استعمال نہیں کرتا ہے اور نہ اللہ کے بتائے ہوئے حقوق میں اسے خرچ کرنے کا خیال آتا ہے یہ شخص بہت ہی بُرے مقام کا ہے۔ (۴) چوتھا شخص وہ ہے جو مال اور علم دونوں سے محروم ہے مگر اسکی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اگر اسکے پاس مال ہوتا تو میں بھی وہی کام کرتا جو فلاں نے کئے، کیا ہے (تیسرے شخص کی طرح) تو نیت اور گناہ میں دونوں یکساں ہیں۔'' (احمد، ابن ماجہ، ترمذی، طبرانی۔ صحیح)

یہاں یہ بات یاد رہے کہ ایک شخص اگر معذور ہے تو اسکا اجر نیت کے مطابق ہوگا۔ آپؐ نے ایک غزوہ سے لوٹتے ہوئے کہا کہ'' کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہارے ساتھ سفر میں شریک نہیں ہیں مگر اجر میں شریک ہیں کیونکہ عذر نے ان کو روک دیا تھا (ورنہ وہ بھی شریک سفر ہوتے)''

اسی طرح سے فرض کفایہ ہے کہ سب کے ذمے نہیں ہے مگر جو کرے گا وہ افضل ہوگا کہ اس نے یہ کام کرلیا۔ گرچہ نہ کرنے والا گناہ گار نہ ہوگا

۴. چوتھی قسم: برائی کا ارادہ تو کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا، تو اس پر بھی نیکی لکھی جائے گی۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ برائی سے اس لئے رک گیا کہ اسے اللہ کا خیال آ گیا۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی مجبوری یا لوگوں کے خوف سے نہیں کیا تو بھی اسکو اجر ملے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔ (بخاری و مسلم)

''اگر دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کیلئے ہتھیار اٹھائیں اور لڑیں تو قاتل بھی جہنم میں اور مقتول بھی۔ سوال ہوا کہ مقتول کا کیا جرم ہے (وہ تو مارا گیا) فرمایا کہ کیونکہ وہ بھی قتل کا ارادہ تو رکھتا تھا (بس اسکا زور نہ چل سکا) اور آپؐ نے فرمایا ''اللہ نے میری امت سے اس بات کو معاف کر دیا ہے کہ وہ جو دل میں بات کریں (اس پر بھی پکڑ لے) جب تک کہ وہ اسے کہیں نہیں یا اس پر عمل نہ کریں۔

(صحیح حدیث بخاری، مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں میں مروی)

تو ارادہ پر پکڑ یا تو اس وقت ہے جب اپنے ارادہ کو کہہ کر ظاہر کر دے یا اس پر عمل کر لے اور اگر دل میں خیال آئے جو برا بر ہو۔ مگر وہ اسکو برا سمجھے تو یہ تو ایمان کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے (مسلم، احمد) '' ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ دنیا کا معاملہ ہو اور قیامت میں اللہ تعالیٰ نیت کا بھی حساب لے، پھر چاہے تو معاف کرے یا سزا دے۔

جب یہ آیت اتری ''تم جو کچھ تمہارے دل میں ہے اسکو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ اس پر تمہارا محاسبہ کرے گا پھر چاہے گا تو معاف کر دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ (بقرہ: ۲۸۴) یہ سن کر تو مسلمان پریشان ہو گئے کہ دل میں آئی باتوں پر بھی پکڑ ہو گی تو اگلا حصہ اترا کہ اللہ سے دعا کرو کہ ''وہ گنجائش سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالے'' تو اس سے یہ واضح ہوا کہ ذمہ داری اسکی ہے جو خود کریں، خیالات پر قابو نہ کر پانا، دل میں انہیں نہ آنے دینا، طاقت سے زیادہ ہے۔ اس لئے وہ معاف ہیں۔

اگر انسان دل میں خیالات پالے اور وہ عقیدہ میں آئیں کہ خدا کی وحدانیت، نبوت پر شک، قرآن پر اعتراض تک جائیں تو ان سے آدمی کفر یا نفاق تک جا سکتا ہے۔ اس طرح دل میں اللہ سے محبت ہو، دین سے محبت ہو، ہر اس چیز سے محبت ہو جو اللہ کو پسند ہو تو ایمان کی علامت ہے۔ اور اسکے بر خلاف ہو تو یہ غلط ہے، اسی میں بدگمانی بھی آئے گی کہ بغیر ثبوت کے کسی مسلمان سے بدگمانی کی۔ ایسے خیالات جو عمل سے تعلق رکھتے ہوں تو ان پر پکڑ ہے اگر پکا ارادہ کر لیا، ہو سکتا ہے دنیا میں نہ ہو کیونکہ انسان تو دل کا حال نہیں جانتا ہے مگر اللہ کے نزدیک اس سب پر پکڑ ہو سکتی ہے۔ اس میں وسوسے نہیں آئیں گے، جب تک ان پر توجہ نہ دیں، ان پر توجہ دیں گے تب اس کا اثر ہو گا۔ اس طرح یہ بات بھی ہے کہ انسان کے دل میں خیالات بنتے رہیں اور انکو ختم نہ کریں تو خطرہ ہے کہ اس پر عمل ہو جائے کہ (انما الأعمال بالنیات) میں دونوں باتیں ہیں، نیت کے مطابق بدلہ، دوسرے نیت جیسی ہو گی اس طرح کا عمل ہو گا۔

اب اسکا ایک حل یہ ہے کہ جب ایسا خیال آئے تو اسکو نیکی کر کے ختم کر دے۔ حدیث میں ہے کہ ''اللہ سے ڈرو جہاں بھی ہو۔ اور برائی کے بعد اچھائی کرو تو وہ اسکو مٹا دے گی۔''

''وہ ہلاک ہو گا جو خود ہی تباہی کا سامان کرے گا''، یعنی نیکی کیلئے اتنی آسانی دے کر اور برائی کو اس حد تک کمزور کرنے سے یہ فائدہ ہو گا کہ کسی

میں ہلکی سی اچھائی ہے تو وہ نجات کا سامان کرلے گا۔مگر جو اسکے بعد بھی برائی ہی کو پسند کرے تو پھر اس نے تو خود ہی محروم رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ'' وہ تباہ ہوا جس کی ایک برائی ۱۰ اگنا نیکی پر غالب آ گئی۔'' (ضعیف،ابن عباس سے)

****

حدیث نمبر ۳۸: نوافل اور اللہ کی صحبت

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّافَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهٗ ، فَاِذَا أَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدْهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَلَئِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِیْذَنَّهٗ۔" (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے، جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور میری پسندیدہ چیزوں میں سے کسی چیز سے میرا بندہ مجھ سے اس قدر قریب نہیں ہوتا جتنا ان چیزوں سے ہوتا ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مجھے محبوب ہو جاتا ہے، پھر جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اسکا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اسکا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور پھر جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔" (بخاری)

شرح حدیث:

یہ ایسی حدیث ہے جو صرف بخاری نے روایت کی ہے۔ گرچہ بیہقی، بغوی نے بھی بخاری کے ساتھ اسکو روایت کیا ہے۔ ایک اور جملہ ایک روایت میں ہے کہ "مجھے کسی کام میں کوئی تردد نہیں ہوتا ہے، بس اگر تردد ہوسکتا ہے تو مومن کی روح نکالنے میں کہ وہ مومن پر بھاری وقت ہوتا ہے اور مجھے اسکی یہ تکلیف بری لگتی ہے۔" اس جملہ کی سند کو مضبوط نہیں مانا گیا ہے۔ کچھ دوسری روایتیں کمزور مانی گئی ہیں اور کچھ مقبول درجے میں ہیں۔ (احمد، طبرانی)

بہرحال بخاری کی حدیث تو صحیح حدیث ہے، اس لئے دوسری سند میں کمزور ہوں تو تب بھی لے لی جائیں گی۔

۱. ولی وہ ہے جو اللہ، رسول کو اپنا ولی بنالے اور دل سے محبت کرے۔ رسول خود اللہ کے دوست ہیں اور متقی ولی ہیں۔ عام مؤمنین بھی اللہ کے دوست ہیں جب تک وہ اللہ کے دشمن کو دوست نہ بنائیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں سب سے پہلے تمام صحابہ آئیں گے۔ کسی بھی صحابی سے بغض رکھنا اس کے خلاف ہے، اسی لئے آپؐ نے فرمایا" اللہ کا خیال رکھنا میرے صحابہ کے بارے میں۔ انکو نشانہ نہ بنانا کہ جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو اللہ کو اذیت دے تو بالکل طے ہے کہ اللہ اسے پکڑے گا۔" (ترمذی، احمد، ابن حبان، حسن غریب)

اسکو اسلام میں "موالات" کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ "میرے اور تمہارے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔" (ممتحنہ:۱) اور کہا "تمہارے ولی

ہیں اللہ اور اسکے رسول اور وہ مؤمن جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔ اور جو اللہ، رسول اور مومنوں سے منہ پھیر لے تو اللہ کا گروہ ہی غالب ہونے والا ہے۔'' (مائدہ: ۵۵،۵۶)

ولی کے تین معنی ہیں (۱) خاندان کا مردسربراہ (۲) غلام کو آزاد کرنے والا (۳) حکومت کے اہم راز اور اندرونی معاملات جاننے والا جہاں قرآن نے کہا ہے کہ'' یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی نہ بناؤ۔'' (مائدہ: ۵۱) اسکا مطلب تیسرے معنی میں ہے نہ کہ اس معنی میں انکو کسی بھی حیثیت سے دوست نہ بناؤ اور موالات کا بھی یہی مطلب ہے کہ وفاداری کا معیار اسلام ہے۔

دوست کے خلاف دشمنی پر اعلان جنگ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے ولی کا دفاع کرے گا اور اسکی طرف سے بدلہ لے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی بھی اللہ کے خلاف جنگ ہے اور اللہ کے اچھے بندوں کے خلاف دشمنی بھی اللہ کے خلاف جنگ ہے۔

۲. (فرض کے ذریعے سب سے پہلے تقرب پھر نوافل سے تقرب) موالات کا مطلب ہے قربت اختیار کرنا اور دشمنی کا مطلب ہے دوری۔ تو مطلب ہوا کہ اللہ کے ولی بننے کا سب سے پہلا ذریعہ اللہ کے بتائے فرائض کو ادا کرنا ہے، اور دوسرا کام ہے اللہ کے حرام سے بچنا۔ یہ فرض حقوق اللہ میں بھی ہے اور حقوق العباد میں بھی آئے گا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ'' افضل عبادت فرض کو ادا کرنا ہے، اور حرام سے بچنا ہے۔''(ابونعیم، حلیۃ الأولیاء ۲۹۶/۵) اسی میں انصاف کرنا۔ حقوق کی ادائیگی میں توازن رکھنا بھی آئے گا۔ موالات میں مومنوں سے نرمی کا معاملہ کرنا بھی آئے گا۔

''مومنوں کیلئے وہ نرم ہیں اور کافروں کیلئے وہ سخت ہیں۔'' (مائدہ ۵۴) '' کافروں پر وہ سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کیلئے رحمت ومحبت کرنے والے ہیں'' (فتح: ۲۹) حق گوئی کرنا بھی ایک علامت ہے اور اس طرح سے کہ حق بات کہنے میں کسی کی پراوہ نہ کرے۔

'' کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے وہ نہیں ڈرتے ہیں۔'' (مائدہ: ۵۴) آپؐ کی ایک دعا کے الفاظ ہیں '' اے اللہ! مجھے اپنی محبت بخش دے اور اس کو محبوب بنا جو مجھے فائدہ دے اور اسکو محبوب بنا لے۔ اے اللہ! جسکی محبت کی آپ نے توفیق دی ہے اسکے ذریعے سے آپ کی اور محبوب چیزوں کو کرنے کی قوت دے اور اے اللہ! اگر آپ نے وہ چیز مجھ سے دور کر دی جو مجھے محبوب تھی تو اس کی خالی جگہ میں جو آئے اسکو مجھے محبوب بنا دے۔'' (ترمذی۔ صحیح)

ایسی ہی ایک اور دعا ہے کہ'' اے اللہ! آپ کی محبت میرے لئے سب سے محبوب بنا دے۔ اور آپ کی خشیت میرے لئے سب سے زیادہ خوف کی بات ہو۔ اور میری دنیا کی طرف رغبت کو پھیر کر تیرے ساتھ ملاقات کو آگے کر دے۔ اس وقت جبکہ دنیا والے دنیا کی چیزوں میں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک دیکھتے ہیں مگر آپ میرے لئے آپ کی محبت کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔'' (مرسل حدیث، ابونعیم کی روایت)

محبت کا مطلب ہے تقرب کی بھرپور کوشش اور تقرب میں بھی بہت آگے تک جانا، اور ظاہر ہے اس کیلئے عبادت میں بھی زیادہ سے زیادہ محنت مطلوب ہوگی۔ اور دل محبت کا مرکز ہے۔ اس لئے اس میں دوسری چیزیں آ تو سکتی ہیں مگر محبت کا مقام صرف اللہ اور اللہ کے محبوب لوگوں اور باتوں کا ہونا چاہئے۔ عبدالقادر جیلانیؒ نے کہا'' مال و دولت کا کمانا جائز، جیب میں رکھنا جائز مگر دل میں رکھنا ناجائز۔'' ابن مسعودؓ کہتے

ہیں کہ ’’ جب تم قرآن سے محبت کرو گے تو اللہ اور اسکے رسول کی محبت کو بھی حاصل کرلو گے۔ اس طرح سے اللہ کی یاد ہر حال میں رکھنا، زبان پر اللہ کا ذکر رکھنا بھی محبت کی علامت ہے۔‘‘ معاذؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ! اللہ کو جو سب سے پسند ہے، جن سے سب سے زیادہ اللہ کا تقرب حاصل وہ عمل بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا’’ موت آنے تک تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہے۔‘‘ (مسند بزار)

قرآن میں ہے کہ’’ تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا۔‘‘ (بقرہ:۱۵۲)

اللہ کے اولیاء کے مقام کے بارے میں ایک حدیث ہے۔ عمرؓ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ’’ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوں گے جو نہ نبی ہیں نہ شہید۔ (مگر) انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے کہ اللہ نے انکو کتنا بلند مقام دیا ہے۔‘‘ صحابہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا’’ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں، جبکہ ان میں رشتہ داری بھی نہیں ہے۔ اور نہ انکو کسی مالی مفاد کی لالچ ہے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے نور کے ہوں گے اور نور سے بنے منبر پر بیٹھے ہوں گے۔ اور جب سب خوف میں ہوں گے اس وقت بھی وہ خوف سے محفوظ ہوں گے، اور جب لوگ غم کر رہے ہوں گے انکو غم نہ ہوگا۔‘‘ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی’’ سنو! اللہ کے اولیاء کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے۔‘‘ (یونس:۶۲) (ابوداؤد کی روایت اس الفاظ کی ابوہریرہؓ سے صحیح حدیث ہے، نسائی ابن حبان میں)

۳. ’’اللہ تعالیٰ مومن دوست کا کان، آنکھ، ہاتھ، پیر ہو جاتا ہے۔‘‘ یعنی اس کی حق کیلئے مدد کرتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اندر اتر آتا ہے، جسکو (حُلُول) کہتے ہیں یہ اسلامی عقیدہ نہیں ہے۔ خالق خالق ہے اور مخلوق مخلوق دونوں ایک نہیں ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ اسکا صرف مطلب یہ ہے کہ اللہ کی حمایت، مدد ساتھ رہتی ہے اور اسکو اہمیت سے بتانے کیلئے یہ کہا گیا ہے کہ اللہ اسکا ہاتھ بن جاتا ہے۔ جیسے مسجد کو اللہ کا گھر کہہ دیا ہے۔ جسکا مطلب یہ نہیں کہ وہاں اللہ رہتا ہے، بلکہ اللہ نے اسکو اپنی طرف منسوب کر کے اسکو عزت دے دی۔ اس لئے اللہ نے عزت کا معیار تقویٰ بنایا ہے نہ کہ دنیاوی منصب، اور دولت۔ ایک حدیث میں ہے کہ’’ بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ سے قسم کھا کر کسی کام کیلئے کہیں تو اللہ ان کی قسم ضرور ہی پوری کرے گا۔‘‘ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

صحابہ سے ایسے بہت سے واقعات منقول ہیں، جو کرامت میں آتے ہیں۔

۴. ’’موت دیتے ہوئے مجھے تردد ہوتا ہے۔‘‘ موت کا فیصلہ اللہ نے کر دیا ہے۔ اور یہ بھی کہ ہر ایک کو موت آنی ہے،’’ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔‘‘ (آلِ عمران:۱۸۵) اور آپؐ نے فرمایا’’ موت کی تکلیف ہے (سکرات الموت) اے اللہ! مجھے سکرات الموت کے وقت مدد کر دے۔‘‘ (بخاری ومسلم واحمد وترمذی)

مومن پر یہ تکلیف اس لئے آسان ہوتی ہے کہ ایک تو موت اس سے دھیرے سے نکالی جاتی ہے، جیسے آٹے سے بال، دوسرے اسکو اللہ کی نعمتوں کی بشارت دی جاتی ہے تو اسے موت کی تکلیف بھول کر اللہ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

ابن مسعودؓ نے کہا کہ’’ ایک دم سے موت میں مومن کیلئے راحت ہے۔‘‘ جبکہ آپ نے اچانک موت سے پناہ مانگی ہے۔ تو اسکا مطلب ہے

جب توبہ کا، کلمہ کا موقع نہ ملے اور کسی کیلئے موت بیماری کے بعد ہوتی ہے کہ اس طرح سے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی ہو جاتی ہے۔
خاتمہ ایمان پر ہو اور اسکے ساتھ موت کی شدت سے محفوظ رہیں تو یہ بھی اللہ کا انعام ہے۔

****

حدیث نمبر ۳۹: بھول چوک پر گرفت نہ ہونا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ : اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَلِیْ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَأَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِھُوَا عَلَیْہِ ‘‘ (حدیث حسن رواہ ابن ماجۃ و البیھقی وغیرھما)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا’’ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری وجہ سے میری امت سے بھول چوک اوران چیزوں کو جوان سے زبردستی کرائی جائیں، درگزرفرمادیا ہے۔‘‘

(حسن حدیث، ابن ماجہ اوربیہقی کی روایت۔طبرانی، حاکم، ابن حبان، دارقطنی نے بھی روایت کیا ہےاورابن ماجہ کی سندصحیح سند ہے۔)

شرح حدیث:

خطاءاورنسیان کا تو قرآن میں تذکرہ ہے کہ اللہ ان سے درگزرکرتا ہے۔’’اے ہمارے رب! ہماری گرفت نہ کر، اس پر جو ہم سے بھول کر ہوا یاہم سے غلطی سے ہوا۔‘‘ (بقرہ:۲۸۶) اورفرمایا’’تم پراسکا گناہ نہیں ہے جوتم نے غلطی سے کیا (ہاں) لیکن جوتم نے دل میں ارادہ کر کے کیا۔‘‘ (احزاب:۵) اورحدیث میں ہے کہ’’ جب ایک حکم بتانے والاحکم لگائے اور پوری کوشش کرلے(مسئلہ جاننے کی)اورصحیح حکم لگائے تواس کودوباراجر ملے گا۔‘‘ (ابوداؤد، احمد، ابن ماجہ،نسائی،عمروبن عاصؓ سےاورابوہریرہؓ سے بھی)

اسی طرح قرآن میں ہے کہ’’ جوایمان لانے کے بعدکفرکرے گاسوائے اسکے کہ اسکوزبردستی مجبورکیا گیااوراسکا دل ایمان پر مطمئن ہے مگر جسکا دل کفرکیلئے کشادہ ہوگیا تواس پراللہ کاغضب ہوگا۔‘‘ (نحل:۱۰۶)

اورکہا’’مومنوں کیلئے جائزنہیں ہے کہ وہ مومنوں کوچھوڑکرکافروں کوولی بنائیں۔اور جوایسا کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس کیلئے کچھ نہیں ہے ۔سوائے اسکے تم اسکوایک ڈھال کےطورپربچنے کیلئے کرو۔‘‘ (آلِ عمران:۲۸)

خطاء: نیت اورارادہ کچھ اورکرنے کا ہو، مگر جب وہ کام کرے تواس سے کچھ اور بات ہوجائے، جیسے گاڑی سے کسی کا ایکسیڈنٹ ہوجائے جبکہ گاڑی چلانے کا یہ مقصد نہ تھا۔

نسیان: کسی بات کوکرنا یادہومگر جب اسکاوقت ہوتو بھول جائے، اب ’’ان پردرگزرہے‘‘ کا مطلب ہے کہ ایسے کام پرگناہ نہ ہوگا مگر قانونی ذمہ داری رہے گی۔ایک حدیث میں ہے کہ’’ جونماز اس لئے ادانہ کرسکا کہ سوگیا تھایا بھول گیا تھا۔تواسکو چاہئے جب یادآئے اسکو اداکرلے‘‘ ایسے ہی روزے میں بھول کرکچھ کھالیایاپی لیاتو روزہ خراب نہ ہوگا۔حدیث ہی ہے کہ’’ اگربھول کرکھالیایاپی لیا تو یہ اللہ کی طرف سے اس کیلئے رزق کا انتظام ہوگیااوراسکوقضاء کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

(صحیح۔ابوہریرہؓ سے احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کی حدیث)

اسی طرح کسی کو یادنہ رہا کہ وضو ہے یانہیں اورنماز اداکرلی تواداہوگئی مگراگریادآ گیا تو پھردہرائے گا۔

(مُکْرَہ) مجبور: یہ اس وقت شمار ہوگا جب اسکو اختیار نہ رہے نہ کرنے پر یا کرنے پر، کسی نے قتل کی دھمکی دی اور مجبور کر کے کوئی کام کرالیا تو اس کو گناہ نہ ہوگا۔ انسانی مجبوری کا تعلق یا تو زندگی سے ہے یا عزت سے اور زندگی بچانے کیلئے کفر کا کلمہ کہہ دیا تو اجازت ہے، اور اگر حرام کھانا کھانا پڑا تو ایسا کرنا واجب ہے۔ اب یہ کہ کیا اپنی جان بچانے کیلئے کسی اور کو قتل کرسکتا ہے۔ صحیح رائے یہ ہے کہ ایسا نہ کرنا چاہئے مگر اگر قتل کر دیا تو اس پر قصاص نہ ہوگا۔ اسی طرح بدکاری پر مجبور کیا تو انکار کرے۔ گناہ ہوگیا تو معذور ہوگا یا معذور ہوگی۔ (دیکھئے نور: ۳۳)

قاعدہ یہ ہے کہ قول تک زبردستی جائز ہے عمل میں صحیح نہیں ہے۔ کلمہ کفر قول ہے کسی کا قتل عمل ہے۔

جو شخص دین کے احکام سے ناواقف ہو کیا اس کیلئے بھی عذر ہوسکتا ہے؟

علماء نے ایسے شخص کو معذور مانا ہے جو کفر کے ماحول میں رہتا ہو۔ یا جو ابھی اسلام لایا ہو۔ مگر یہ شخص اگر مسلم ماحول میں رہتا ہو تو دین کے بنیادی اصول اور احکام سے ناواقفیت کا عذر صحیح نہ ہوگا، جیسے کہے مجھے معلوم نہ تھا کہ اسلام میں نماز کا حکم ہے مگر دین کی باریک تفصیلات کا عذر جائز ہوسکتا ہے کہ ان کو ہر شخص نہیں جانتا ہے۔

ایسی زبردستی جس سے اسلام کا فائدہ ہو یا مسلمان کیلئے بہتر ہے وہ جائز ہے، جیسے کسی کو کہیں تم کو اسلام لانا ہوگا یا کہیں کہ تم کو نماز ادا کرنی ہو گی۔

ایک بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ زبردستی انفرادی ہوتی ہے پوری قوم مجبور کر دی جائے تو پھر اس کے خلاف جدوجہد ضروری ہے۔ فرد پر بھی مجبوری میں ضرورت پر عمل جائز ہے مگر اس کو ناپسند ہی رکھے اور اسکو ہٹانے کی کوشش کرتا رہے۔ ناواقفیت ایک مجبوری ہے نہ کہ پسندیدہ بات کہ دین کو جاننے کی کوشش ہی نہ کرے۔ خود جانے یا اہل علم سے سوال کرے۔ حکمران ایک طرف تو قوموں پر حکومت کریں دوسری طرف بڑی طاقتوں کے سامنے مجبور بن کر رہیں۔ یہ پسندیدہ بات نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اگر کوئی مجبور ہو تو اسکی مجبوری اس کیلئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو بھی کہے کہ سب اس مجبوری کے ساتھ رہیں۔ ایک حاکم ظالم ہے تو اسکا ساتھ نہ دیں یا اس سے دور رہیں مگر اس کے ساتھ اس کے ظلم میں شریک ہوں اور کہیں کہ مجبوری ہے یہ صحیح بات نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ "تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جو معروف و منکر کو بدلیں گے، جو کھل کر ان کے خلاف کہے وہ ان سے بری ہے اور جو ان سے دور رہا وہ محفوظ ہوا مگر جس نے ان کو پسند کیا اور انکی بات مانی۔ (تو وہ تو ہلاک ہوا)۔"

****

حدیث نمبر۴۰: مومن اور دنیاوی زندگی

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِمَنْکِبِیْ فَقَالَ: ”کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا یَقُوْلُ: اِذَا أَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْصَبَاحَ، وَاِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَآءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِکَ لَمَرَضِکَ وَمِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ۔“

(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا” تم دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیسی یا راہ گیر رہتا ہے۔“ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے” دنیا کو ایسی بے ثبات چیز سمجھو کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار مت کرو اور تندرستی کے زمانے میں بیماری کے زمانے کیلئے عمل کر کے رکھ لو اور زندگی میں ہی موت کیلئے عمل کر کے رکھ لو۔“ (بخاری)

شرح حدیث:

حدیث کی روایت کی ہے بخاری، بیہقی، بغوی، ابن مبارک، ابن حبان، ترمذی، احمد اور ابن ماجہ نے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ” میرے جسم کے ایک حصّے کو تھامتے ہوئے کہا اللہ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو اور دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک اجنبی یا مسافر رہوتا ہے۔“

۱. اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں رہیں مگر دل نہ لگائیں۔قرآن میں ہے” یہ دنیا کی زندگی ایک گزارے کا سامان ہے اور بے شک آخرت ہی اصل جائے قرار ہے۔“ (غافر:۳۹) اور آپؐ کا قول ہے کہ مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، میرے لئے تو دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک مسافر ہو وہ تھوڑی دیر ایک درخت کے سائے میں رکے اور پھر منزل کی طرف چل دے۔“

(حسن، صحیح، احمد، ترمذی، ابن مسعودؓ، عمرؓ، ابن عباسؓ سے)

عیسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا” اس دنیا کو گزرگاہ سمجھو، مستقل قیام کی جگہ نہیں۔“ علیؓ نے کہا” دنیا تو اب واپس جانے کو ہے اور آخرت آنے والی ہے۔اور ہر ایک کے بیٹے ہیں سو تم آخرت کے بیٹے بنو، آج کے دن عمل ہے حساب نہیں، کل حساب ہوگا اور عمل کا موقع نہ ہوگا۔“

۱. دنیا میں اس لئے رہنا ہے کہ آخرت کی تیاری کرنی ہے، کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے اور یہ دنیا اولیٰ ہے یعنی پہلی اور آخرت دوسری ہے، مگر امتحان یہ ہے کہ اول کو دوم بنائیں اور دوم کو اول رکھیں، قرآن میں ہے”اس دن انسان جان لے گا کہ کس کو پہلے رکھا اور کس کو پیچھے رکھا۔“ (انفطار:۵)

۲. دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں ایمان کے ساتھ رہنے میں ایک اجنبیت کا معاملہ رہے گا کہ ایمان کفر کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتا ہے اور کفر

کے کتنے ہی رنگ ہوں سب مل جاتے ہیں تو اس اجنبیت سے گھبرائے نہیں کہ اصل مانوس جگہ آ گئے ہے۔ آپؐ کہتے تھے "ہر نماز ایسے ادا کرو کہ بس یہ آخری نماز ہے۔" (صحیح۔ احمد، ابن ماجہ، سیوطی)

۳. صحت کو غنیمت سمجھو، آپؐ نے فرمایا" دو نعمتیں ایسی ہیں جنکے بارے میں زیادہ تر لوگ خسارے میں ہیں، صحت اور فراغت وقت۔"

(بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، ابن عباس سے)

ایک حدیث میں فرمایا" پانچ باتوں کو پانچ باتوں سے پہلے غنیمت سمجھو، (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے (۲) صحت کو بیماری سے پہلے (۳) مالداری کو محتاجی سے پہلے (۴) فراغت وقت کو مشغولیت سے پہلے (۵) اور زندگی کو موت سے پہلے۔" (حاکم، بیہقی، احمد)
مسلم کی روایت میں ہے کہ" چھ کاموں کو جلد سے جلد کرلو (۱) اس سے پہلے کہ سورج مغرب سے نکلے (۲) دھواں پھیل جائے (۳) دجال نکل آئے (۴) جانور (دابۃ) نکلے (۵) ہر ایک بس اپنی فکر کرے (۶) دوسروں کے معاملات ہاتھ سے نکل جائیں۔"

(مسلم)

ترمذی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا" نیکی میں جلدی کرو سات باتوں سے پہلے (۱) کیا چاہتے ہو کہ ایسا فقر و فاقہ ہو کہ سب بھلا دے (۲) یا ایسی مالداری ہو کہ سرکش بنا دے (۳) یا ایسا مرض ہو کہ ہر چیز بگاڑ دے (۴) یا ایسا بڑھاپا ہو کہ بالکل ہی بے بس کر دے (۵) یا موت کہ سارا معاملہ ہی تمام ہو جائے (۶) یا دجال کہ اسکا انتظار شر ہی شر ہے (۷) یا قیامت کہ وہ تو بہت ہی بھیانک اور سخت کڑوی ہے۔" اس لحاظ سے بات یہ ہے کہ دنیا خود دھوکے میں رکھتی ہے، مگر اس میں ایمان کو بچانے کی آزمائش اور سخت ہے، پھر قیامت کے قریب فتنے اور بھی زیادہ ہو جائیں گے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ انسان عبرت نہیں لیتا ہے اور غفلت و معصیت میں مبتلا رہتا ہے۔ حالانکہ آپؐ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ رات میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن میں توبہ کا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ یہ عمل مسلسل رہے گا یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔" (احمد، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، حسن۔ صحیح)
آپؐ نے فرمایا" ہر مرنے والا نادم ہی رہے گا۔" پوچھا گیا کہ کیوں؟ آپؐ نے فرمایا" اگر وہ نیک تھا تو اسکو یہ احساس رہے گا کہ کاش اور نیکیاں کر لیتا اور اگر وہ برا تھا تو یہ ندامت ہو گی کہ کیوں نہ توبہ کر لی۔" (ترمذی، غریب) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھیں، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اپنا کام کریں، کوشش کریں، دنیا میں بھی نیکی اور اچھائی کے ساتھ رہیں اور آخرت کیلئے بھی تیاری کریں۔ تاکہ صرف دنیا میں عمر صرف نہ ہو جائے بلکہ عمر کا استعمال ایسے ہو کہ دنیا بھی ٹھیک سے گزرے اور آخرت کا سامان بھی بن جائے۔

****

حدیث نمبر ۴۱: کامل مومن

عَنْ أَبِیْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ“ (حديث صحيح، رَوَيْنَاهُ فِی كِتَابِ الْحُجَّةِ بِإِسْنَادٍ صحيح)

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب اس کی خواہش میرے لائے ہوئے طریقے کے تابع نہ ہو جائے۔“

(حسن، صحیح کتاب ”حجت“ کی روایت، مؤلف ابوالفتح نصر بن ابراھیم مقدسی)

شرحِ حدیث:

اس حدیث کو ابونعیم نے (اربعین) میں روایت کیا ہے اور وہ اپنی کتاب میں صحیح حدیث کی پابندی کرتے ہیں۔ بغوی نے اسکو (شرح سنت) میں روایت کیا ہے، اس سلسلے میں محدثین کی مختلف رائیں ہیں۔ اس لئے ابن رجب نے کہا ہے کہ اس حدیث کا صحیح کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابونعیم کو ضعیف کہا گیا ہے، اور یہ کہ وہ موقوف کو مرفوع کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث بھی انہیں ”موقوف“ میں سے ہے۔

۱. حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ اسکی محبت آپؐ کے لائے ہوئے دین کے ساتھ ہو کہ جو حکم دیا وہ پسند اور جس سے روکا وہ ناپسند۔ قرآن کی ایک آیت اس سلسلے میں واضح ہے کہ ”تیرے رب کی قسم (اے محمد) یہ مومن نہیں ہو سکتے ہیں جب تک آپس کے تنازع (اور جھگڑے میں) آپ کو ہی فیصلہ سنانے والا بنائیں (حکم) پھر آپ جو بھی فیصلہ کر دیں، اس پر انکے دل میں ذرا سی بھی تنگی نہ ہو اور مکمل طور پر اسکو تسلیم کر لیں“ (نساء: ۶۵) ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کیلئے اسکے بعد کہ کسی معاملے میں اللہ اور اسکا رسول کوئی فیصلہ کر دیں پھر کوئی اور بات کا اختیار رہے ہی نہیں۔“ (احزاب: ۳۶)

آیت کی رو سے مسئلے کو آپ کے پاس لے جانا دین کا حصّہ ہے پھر جو فیصلہ آجائے اسکو ماننا دین کا حصّہ ہے پھر (چاہے وہ ناپسند ہو یا خلاف میں گیا ہو۔) ہر حال میں دل سے ماننا بھی دین کا حصّہ ہے۔ اسی بات کو ایک اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ ” تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب میری محبت اس کے نفس، اسکی اولاد، اسکے گھر والے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر نہ ہو۔“

(احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ انس بن مالک سے)

اس محبت کا معیار بھی بنا دیا گیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”(اے نبی) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو (یا محبت کا دعویٰ کرتے ہو) تو پھر میری اطاعت اور پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔“ (آل عمران: ۳۱)

مشرکین کو جانچنے کا معیار بتاتے ہوئے کہا” (اے نبی) اگر وہ آپ کی پکار کو قبول نہ کریں تو آپ جان لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔“ (قصص: ۵۰)

صحیح حدیث میں ہے کہ ''تین باتیں جس میں ہوں گی اسکو ایمان کی چاشنی کا مزہ حاصل ہوگا (۱) اللہ اور رسول اسکو سب سے بڑھ کر محبوب ہوں (۲) اور کسی سے محبت کرے تو اللہ کی خاطر (۳) اور اسکو آگ میں جل جانا پسند ہو مگر کفر کی طرف واپس جانا پسند نہ ہو۔''

(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔ انس بن مالک)

اسکو (موالات) کہتے ہیں یعنی اللہ سے محبت کرنا اور جو اللہ کو مانیں ان سے محبت رکھنا اور انکا ساتھ دینا اسی کو حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کہا گیا ہے۔ اس طرح ایک طرف اللہ اور اسکے رسول سے محبت معیار ایمان ہے، دوسری طرف معیار محبت اتباع ہے۔ سنت پر عمل ہے۔ خلاف سنت سے دوری ہے۔ مومنوں سے محبت ہے کفر و شرک و نفاق سے نفرت ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک موقع پر اللہ کی محبت رسول کی محبت کا دعویٰ ہو مگر خلاف شریعت کام ہوں اور اسلام دشمنوں کا ساتھ دیا جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی طے ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے محبت کافی نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ آپ کی لائی ہوئی دعوت، آپ کے لائے دین سے محبت بھی ضروری ہے۔ اور یہ محبت دو طرح سے ہے۔ ایک آپ کی شخصیت کا احترام اور آپؐ کے خلاف کسی بھی حملے کا دفاع اور اسکا جواب۔ دوسرے آپؐ کے دین کی نصرت اور اس دین پر خود بھی عمل کرنا ہے اور دوسروں کو بھی بتانا ہے اور دین کے خلاف جتنے نظریات ہوں انکے خلاف کھڑے ہونا ہے۔ اس کو کہا گیا ہے کہ '' پس جو آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی عزت و تعظیم کی اور آپؐ کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آپؐ پر اتارا گیا ہے (قرآن) یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (اعراف: ۱۵۷، اور دیکھئے فتح: ۹)

اس محبت کا اصل مسئلہ توازن کا ہے کہ اللہ کی محبت اور اسکی اطاعت کے ساتھ ہی نہیں عبادت کے ساتھ بھی ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا تعلق صرف اطاعت سے ہے۔ اس لئے ایسی کوئی تعظیم جو عبادت کا شبہ بھی پیدا کرے وہ رسول اللہؐ سے محبت نہیں ہے۔

آپؐ نے فرمایا ''دیکھو میرے ساتھ ویسا غلو نہ کرنا جیسا غلو عیسائیوں نے عیسیٰؑ کے ساتھ کیا۔ بس یہ کہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اسکا رسول ہوں''

خواہش کو اس طرح سے ماتحت کرنا ہے کہ وہ بات پسند آئے یا نہ آئے تب بھی اسکو اپنانا ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ اسکو نہ کرسکیں مگر یہ دل میں رہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے۔ جیسے ہم اسلام پر مکمل انداز سے عمل نہ کرسکیں تو تمنا تو رکھیں پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ اور اسکے رسول ہمارے خیر خواہ ہیں، اس لئے وہ ہم سے جو چاہتے ہیں اس میں ہمارا فائدہ ہے۔ جبکہ ہوسکتا ہے کہ ہم خود اپنا فائدہ نہ جان سکیں۔

قرآن میں ہے۔ ''سو وہ جس کو یہ ڈر رہا کہ اسکو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونا ہے اور اپنے نفس کو خواہش پر چلنے سے روکا تو جنت اسکا ٹھکانا ہے۔'' (نازعات: ۴۰، ۴۱)

حضرت داؤدؑ کو حکم دیا گیا کہ ''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا اور خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ (اتباع) تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔'' (ص: ۲۶)

****

حدیث نمبر۴۲: توبہ واستغفار

عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یَا ابنَ آدَمَ اِنَّکَ مَا دَعْوتَنِیْ وَرَجَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْکَ وَلَا أَبَالِی ، یَا أَبْن آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ ، یَاأبن آدَمَ اِنَّکَ لَوْ أَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَأتُشْرِكُ بِیْ شَیْئًا لَآتَیْتُکَ بِقُرَابِھَا مَغْفِرَۃً۔ ‘‘ (رواہ الترمذی) وقال حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: حضرت انسؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا’’ اے ابن آدم! تم اگر مجھے پکارو اور مجھ سے امید رکھو تو میں تمہارے گناہ بخش دوں گا اور کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اے ابن آدم! اگر تمہارے گناہ آسمان کے کناروں کو (کثرت میں) جا پہنچیں، پھر تم مجھ سے بخشش چاہو تو میں تمہیں بخش دوں گا۔ اے ابن آدم! اگر تم میرے پاس زمین کے بھرنے جتنے گناہ لے کر آؤ اور مجھ سے اس حال میں ملو کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا تو میں تجھے اتنی بخشش سے نوازوں گا کہ اس سے زمین بھر جائے۔‘‘ (ترمذی، حسن)

شرح حدیث:

اس حدیث کو صرف ترمذی نے روایت کیا ہے، اس سے ملتے جلتے معنی کی احادیث مسلم، احمد، دارمی اور بیہقی نے روایت کی ہے، مسلم کی ابوذرؓ سے حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا’’ اللہ تعالیٰ کہتا ہے جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاؤں گا اور مجھ سے ایک ہاتھ قریب آئے گا اس سے میں گز بھر قریب آؤں گا اور جو میرے پاس چلتا ہوا آئے گا میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آؤں گا اور جو میرے پاس زمین کے برابر گناہوں کے ساتھ آئے گا (مگر) اس نے میرے ساتھ کسی شریک نہ ٹھہرایا ہوگا تو میں اتنی ہی مقدار کی مغفرت کے ساتھ ملاقات کروں گا۔‘‘

۱. اس حدیث کا زور ایک طرف دعا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے’’مجھ کو پکارو میں جواب دوں گا۔‘‘ (غافر: ۶۰)

نعمان بن بشیرؓ کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا’’ دعا ہی اصل عبادت ہے۔‘‘ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم)

طبرانی کی حدیث ہے کہ’’جس کو دعا کی توفیق دے دی گئی اسکی قبولیت بھی طے ہوگئی۔‘‘ (ضعیف حدیث)

اس لئے دعا کی ایک شرط یہ ہے کہ قبولیت کا یقین ہو، حدیث میں ہے’’ اللہ سے دعا مانگو اور تم کو قبولیت کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ غفلت میں پڑے دل کی دعا نہیں قبول کرتا ہے۔‘‘ (ترمذی، ابوہریرہؓ۔ضعیف)

اسکے ساتھ خیر کی دعا مانگے، اور یہ سمجھ لے کہ دعا قبول ہوگی (۱) اور وہی چیز مل جائے گی (۲) دوسری بہتر چیز مل جائے گی (۳) قیامت کے

دن مانگنے کا ثواب مل جائے گا۔ (اس معنی کی حدیث احمد، بزار، حاکم نے روایت کی ہے)

اس کے ساتھ اعتراف گناہ اور ندامت کے ساتھ استغفار بھی کرتا رہے، توبہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ ''جس نے استغفار کیا اسکو گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں کہیں گے، چاہے وہ دن میں ۷۰ بار گناہ کرے اور ۷۰ بار مغفرت چاہے۔'' (ابوداؤد، ترمذی۔ ضعیف)

حذیفہؓ نے کہا کہ ''ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ کہے استغفر اللہ مگر گناہ میں بھی لگا رہے۔''

محمد بن کعب قرظی سے پوچھا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اللہ سے قسم کھا کر عہد کرتا ہے کہ کبھی بھی معصیت کا ارتکاب نہ کروں گا۔ آپ نے کہا وہ تو بہت ہی گناہ گار شخص ہے کہ اللہ سے ایسی بات پر قسم کھاتا ہے جو وہ کر ہی نہیں سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے کہنے کے بجائے یا تو یہ کہے اے اللہ تعالیٰ! مجھے معصیت سے بچنے کی توفیق دے یا میں کوشش کرتا رہوں گا، اور اسکے ساتھ توبہ میں بھی لگا رہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''کسی مجلس میں (گناہ تو ہو ہی جاتے ہیں) کفارہ یہ ہے کہ استغفر اللہ اور توبہ کہہ کر اٹھیں۔''

(صحیح حدیث، ابو ہریرہؓ سے ترمذی کی روایت ہے)

ایک چور کا ہاتھ کاٹا گیا، اس سے رسول اللہؐ نے کہا ''کہو میں استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔'' اس نے ایسا ہی کہا، آپؐ نے فرمایا ''اے اللہ! اسکی توبہ قبول کر لیجئے۔'' (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ ضعیف)

آپؐ نے فرمایا ''سید الاستغفار یہ ہے کہ'' اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ ، اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ، فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْت '' ''اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے گئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں اور استطاعت بھر رہوں گا۔ میں نے جو کیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیری جو نعمتیں مجھ پر ہیں ان کا اقرار کرتا ہوں اور میرے جو گناہ ہیں ان کا بھی مجھے اقرار ہے اور آپ سے التجا ہے کہ آپ معاف کر دیں، اور آپ کے علاوہ کوئی معاف کرنے والا ہے ہی نہیں۔'' (بخاری، ترمذی)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''میں تو خود بھی اللہ سے ایک دن میں ۷۰ بار سے زیادہ استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔''

(بخاری۔ ابو ہریرہؓ)

آپؐ کی یہ بھی حدیث ہے کہ ''جو استغفار کثرت سے کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو ہر غم سے راحت دے گا اور ہر تنگی کے وقت میں راستہ بنا دے گا۔''

(ابوداؤد، احمد، حاکم۔ ابن عباسؓ نے، صحیح)

عائشہؓ نے کہا کہ '' وہ خوش قسمت ہے جسکے اعمال نامے میں استغفار کی کثرت ہے۔'' قتادہؓ نے کہا ''قرآن نے مرض بھی بتا دیا اور علاج بھی۔ مرض گناہ ہیں اور علاج استغفار۔''

بہر حال یہ بات طے ہے کہ استغفار اس وقت فائدہ دے گا جب توحید پر ثابت قدم رہیں کہ شرک کیلئے معافی کا ذرہ برابر بھی امکان نہیں ہے

''اللہ تعالیٰ اسکو معاف نہ کرے گا کہ اسکے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جسکا چاہے گا معاف کر دے گا۔'' (نساء:۴۸)
دوسری بات یہ ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر امر بالمعروف کو چھوڑ دیا جائے تو دعا کی قبولیت رک جاتی ہے۔ یہ بھی کہا کہ حلال غذا کا اہتمام ہو تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور بھی اس کے تقاضے ہوں انکو سامنے رہنا چاہئے۔ مگر حاصل یہ ہے کہ انسان گناہ کا اعتراف کرے، یا نہ کرنے کا ارادہ کرے اور صرف اللہ سے معافی مانگے اور برائی کے بعد بھلائی کرے تو یہ وہ سہولت ہے جس سے انسان نجات پا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پا سکتا ہے۔

****